ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

جون ۲۰۱۹

www.inzaar.pk

June 2019

بندوں کا دل دکھا کر بندوں کو نقصان پہنچا کر
آپ رب کو راضی نہیں کر سکتے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

بندگی کے سو رنگ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''میں نے جن وانس کو اپنی بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''، (الذاریات 56:51)

بندگی کی یہ دعوت اپنے اندر اتنے ہی رنگ لیے ہوئے ہے جتنے خود زندگی کے مختلف رنگ، پہلو اور گوشے ہیں۔ پیش نظر کتاب میں زندگی کے ان رنگوں کو بندگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اسی لیے اس مجموعہ مضامین کا نام ''بندگی کے سو رنگ'' رکھا گیا ہے۔

کتاب کا ہر مضمون وہ زاویہ نظر دیتا ہے جو ایک بندہ مومن سے اس کے مالک کو مطلوب ہے۔ چاہے اس کا تعلق زندگی کے فکری پہلو سے ہو یا عملی پہلو سے۔ بندگی کی سوچ مومن کی فکر و عمل کے ہر رنگ کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ بندے کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر رنگ کو مالک کے بنائے ہوئے کینوس (canvas) کے پس منظر میں دیکھے۔

اس طالب علم کو یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کی زندگی بندگی کے رنگوں میں انشاء اللہ رنگ جائے گی۔ یہی اس کتاب کا مقصد تصنیف ہے۔

ابو یحییٰ

ماہنامہ
اِنذار
جون 2019ء رمضان/شوال 1440ھ
جلد 7 شمارہ 6

ابویحییٰ کے قلم سے

مدیر:
ابویحییٰ ریحان احمد یوسفی

سرکولیشن مینیجر:
غازی عالمگیر

معاون مدیر:
عابد علی، بنت فاطمہ،
سحر شاہ، عظمیٰ عنبرین

معاونین:
محمد شفیق، محمود مرزا

فی شمارہ — 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرتعاون بذریعہ پوسٹل بیرئر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

ٹکڑے اور شاہی ٹکڑے

اردو زبان میں کسی کے ٹکڑوں پر پلنے کا محاورہ کسی اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ پرانے زمانے میں کھاتے پیتے لوگوں کے دسترخوان پر بچ جانے والے روٹی کے ٹکڑے فقرا و مساکین کو دے دیے جاتے تھے یا پھر جانوروں کو ڈال دیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کا اسلوب عام طور پر تحقیر کا اسلوب سمجھا جاتا ہے۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو ٹکڑے نہیں ڈال سکتا۔ اس لیے درحقیقت ہر شخص یہاں خدا کے بخشے ہوئے ٹکڑوں پر پلتا ہے۔ وہ نہ دے تو کسی کو کھانے کے لیے روٹی کا ایک نوالہ اور پینے کے لیے پانی کا ایک گھونٹ بھی میسر نہیں ہوسکتا۔ کوئی کسی کو اگر کچھ دیتا ہے تو وہ خدا کے دیے ہوئے میں سے دیتا ہے۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ اس انفاق کو لوگوں کی طرف سے قبول کرتا ہے۔ ورنہ درحقیقت یہاں ہر شخص خدا کی بھیک اور اس کے ٹکڑوں پر پلتا ہے۔

زبان کے اس اسلوب سے قطع نظر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ٹکڑوں پر نہیں پالا بلکہ نعمتوں کے لحاظ سے انھیں شاہی ٹکڑوں پر پالا ہے۔ اس دنیا میں ان گنت اقسام کے جانوروں کی خوراک کے لیے صرف بے مزہ گھاس ہے اور انسان کے لیے کھٹا، میٹھا، ترش، تلخ کے علاوہ نمکین اور مصالحہ دار ذائقہ پیدا کیا گیا ہے جس کے بغیر زندگی پھیکی ہوجاتی ہے۔ دال، سبزی، گوشت اور دیگر اقسام کی خوراک کا وہ تنوع انسانوں کے لیے بنایا گیا ہے جو ہر روز نت نئے ذائقوں سے ان کے دسترخوان کو سجاتا ہے۔

اب یہ انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نعمتوں کے اس دسترخوان پر سجے ذائقے کے ان ''شاہی ٹکروں'' پر اپنے رب کا شکر ادا کریں۔ کیونکہ جو لوگ رب کے احسانوں کو غیب میں رہ کر پہچان لیتے ہیں، وہی ہیں جو عنقریب فردوس بریں میں شاہی مہمان بنائے جائیں گے۔

فوکس اور کمیونیکیٹ کرنا

مجھ سے بہت سے نوجوان کامیاب زندگی کا راز پوچھتے ہیں۔ میں انھیں کامیابی کا دونکاتی فارمولا اس طرح بتاتا ہوں۔فوکس کرنا اور کمیونیکیٹ کرنا سیکھیں۔

فوکس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت جو کام کررہے ہوں وہ پوری توجہ سے کریں۔باقی ہرطرف سے اپنا دھیان ہٹادیں۔ایسے ہوجائیں جیسے دنیا میں کچھ اور موجود نہیں ہے۔فوکس کرنا پوری توجہ کسی کام کو دینے کا نام ہے۔جب توجہ مل جاتی ہے تو ہر کام ہوجاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں آپ کی سو فیصد توانائی اور صلاحیت ایک نکتہ پر مرکوز ہوجائے گی۔آپ بہت مشکل کام بہت آسانی سے کرلیں گے۔ دیر کا کام جلدی کرلیں گے۔زیادہ کام کم وقت میں کرلیں گے۔اپنی صلاحیت سے بڑا کام بڑی آسانی سے کرلیں گے۔کم محنت سے بہت زیادہ نتائج حاصل کرلیں گے۔

تاہم دنیا میں کامیابی کاموں ہی سے نہیں ملتی۔انسانوں کی دنیا میں کامیابی کا تعلق اس بات سے ہے کہ لوگوں کی ہمارے بارے میں کیا رائے ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم لوگوں سے گفتگو کرنے کا فن جانتے ہوں۔ان سے کمیونیکیٹ کرکے اپنی بات ان تک پہنچا سکتے ہوں۔ ان کی بات سمجھ کر اپنے رویے اور طریقہ کار میں بہتری لانے پر آمادہ ہوں۔ یہ وہ دوسری چیز ہے جس کے بغیر آپ دنیا میں کوئی ترقی اور بڑا مقام حاصل نہیں کرسکتے۔

اس دنیا میں لوگ کاموں میں محنت کرتے ہیں، وقت دیتے ہیں، پیسے خرچ کرتے ہیں۔مگر توجہ نہیں دیتے۔اسی طرح اپنی بات سمجھانے اور دوسرے کی سمجھنے کے بجائے چپ رہتے ہیں یا اپنی بولی بولتے رہتے ہیں۔ یہ سارے رویے کامیابی کی راہ کے دشمن ہیں۔کامیابی کے دو ہی راز ہیں۔ان کو گرہ سے باندھ لیں۔فوکس کرنا اور کمیونیکیٹ کرنا۔

خدائی لہجہ اور بندگی کا لہجہ

اس دنیا میں دو طرح کے انداز گفتگو اختیار کیے جاتے ہیں۔ ایک کے لیے خدائی لہجے کی تعبیر موزوں ہے اور دوسرے کے لیے بندگی کے لہجے کی۔ خدائی لہجہ وہ ہوتا ہے جو تکبر سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ تکبر کبھی اپنے مقام اور عہدے کا ہوتا ہے۔ کبھی علم کا اور مشیخیت کا، کبھی خاندان اور نام و نسب اور کبھی کبھی بغیر کسی وجہ کے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

اس لہجے میں انسان کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اپنی بڑائی کا ذکر ہوتا ہے۔ اپنے صحیح ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ الفاظ میں کاٹ ہوتی ہے۔ طنز و تعریض ہوتا ہے۔ دوسروں پر الزام ہوتا ہے۔ ان کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ ان کی ہر بات کی نفی کی جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس لہجے میں بدتمیزی کے ساتھ اپنی بڑائی کا جذبہ پوری طرح نمایاں ہوتا ہے۔

تاہم اس دنیا میں – خدا کی اس دنیا میں – اس لہجے کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ لہجہ خدا کے حضور بدترین ذلت اور رسوائی کا سبب بنے گا۔ رہے انسان تو ہر سلیم الفطرت شخص اس لہجے کو ایک گدھے کے شور مچانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دیتا۔

دوسری طرف بندگی کا لہجہ ہوتا ہے۔ اس میں بھی اعتماد ہوسکتا ہے۔ یقین ہوسکتا ہے۔ تنقید بھی ہوسکتی ہے۔ مگر یہ بدتمیزی کا لہجہ نہیں ہوتا۔ یہ لہجہ تحقیر کا لہجہ نہیں ہوتا۔ اس کے اعتماد کے پیچھے علم، تجزیہ، یقین، تجربہ اور مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس میں اگر تیزی ہو تو اس کے پیچھے اخلاص اور تندی ہو تو اس کے پیچھے درد ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ لہجہ اعتراف کا لہجہ ہوتا ہے۔ یہ احترام کا لہجہ ہوتا ہے۔ اس لہجے کو سن کر اصلاح ہوتی ہے۔ خیر جنم لیتی ہے۔

یہ دوسرا لہجہ خدا کے محبوب بندوں کا لہجہ ہوتا ہے۔ اس لہجے کے ساتھ جینے والے خدا کے فرشتوں کی معیت میں جیتے ہیں۔ اور مرتے ہیں تو خدا کے قرب و شرف کا مقام حاصل کرتے ہیں۔ یہی وہ لہجہ ہے جسے اختیار کرنے کی کوشش ہر شخص کو کرنی چاہیے۔

تو اے مسافر شب......

عارف کی نشست میں آج ملکی حالات زیر بحث تھے۔ زیادہ تر لوگ مستقبل سے مایوس اور ملک کے حالات سے پریشان تھے۔ عارف خاموشی سے مختلف لوگوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ عارف کی مجلس میں لوگوں کی اتنی تربیت ہو چکی تھی کہ لوگ بے تکان نہیں بولتے تھے۔ اپنی اپنی بات کر کے خاموش ہو جاتے تھے اور دوسروں کو موقع دیتے تھے۔ چنانچہ جب سب بول چکے تو آخر میں حاضرین نے ان کی طرف دیکھا کہ وہ بھی اپنی رائے دیں۔ وہ لب کشا ہوئے:

''میں آپ لوگوں کے تجزیوں سے اختلاف نہیں کروں گا۔ تاریکی تو چھائی ہے۔ مگر آپ لوگوں کی باتوں میں بھی مایوسی کا اندھیرا ہے۔ تاریکی کو آپ تاریکی سے کیسے دور کر سکتے ہیں؟ روشنی کے سفیر بنیئے ......''

بات ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ ایک صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ وہ بول اٹھے:

''حضرت روشنی کہاں سے لائیں؟ یہاں تو ہر سو تاریکی چھائی ہے۔ ہر لیڈر آخر کار ہمیں دھوکا دیتا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں؟''

''آپ لوگ صرف یہ بتا رہے ہیں کہ تاریکی بہت ہے۔ حالات خراب ہیں۔ امید کی کوئی کرن نہیں۔ مگر اندھیرے میں کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ اندھیرا ہو رہا ہے، اندھیرے کو دور نہیں کرتا۔ اس کے لیے روشنی چاہیے۔ وہ روشنی خدا نے آپ کے اندر پیدا کی ہے۔ آپ کیوں لیڈروں کے غم میں پریشان ہوتے ہیں۔ اس نے تو آپ کو لیڈر بنایا ہے۔''

ایک حافظ قرآن بھی مجلس میں موجود تھے جو فہم قرآن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے فوراً قرآن مجید کی وہ آیت پڑھ دی جس کا حوالہ عارف نے دیا تھا۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاماً

''جی بالکل! اس آیت میں اللہ نے ہمیں نہ صرف یہ بتایا ہے کہ اس نے ہم میں سے ہر شخص

کو امام یا لیڈر بنایا ہے بلکہ ساتھ میں یہ بھی بتایا ہے کہ ہماری لیڈرشپ کا دائرہ کار ہمارا خاندان اور ہمارے بیوی بچے ہیں۔ہم پر اصل ذمہ داری اسی جگہ کی ہے جہاں ہم لیڈر ہیں۔اس جگہ روشنی پھیلائیں۔اس جگہ مثبت اور تعمیری سوچ کو فروغ دیں۔''

''تو کیا باقی معاشرے کو چھوڑ دیں؟''،ایک اور صاحب نے سوال کیا۔

ہم پر ذمہ داری ہمارے دائرہ اختیار ہی کی ہے۔رہا معاشرہ تو یہ ہمارے لیے صرف وہی جگہ ہے جہاں ہم جیتے بستے ہیں۔یہاں پر اچھی باتوں کی تلقین کریں۔برائی پر توجہ دلائیں۔خیر و شر کا شعور زندہ رکھیں۔حق کی تلقین کریں۔اس پر ثابت قدمی کی نصیحت کریں۔اور جو باقی چیزیں ہمارے اختیار سے باہر ہیں ان کو اللہ کے حوالے کر دیں۔یہی قرآن کی تعلیم ہے۔''

''کیا اس سے معاشرہ سدھر جائے گا؟''،ایک اور صاحب نے دریافت کیا۔

دوسروں کو سدھارنے کی نفسیات سے باہر آجائیں۔یہ خدا کی دنیا ہے۔امتحان کے اصول پر بنی ہے۔یہاں معاملات ایسے ہی چلیں گے۔خدا کے فرشتے ان لوگوں کو ڈھونڈ رہے ہیں جو اسی برائی اور اسی اندھیرے میں اپنے اندر کی روشنی کو باہر پھیلاتے ہیں۔جن کے اندر ایمان کا نور زندہ ہے وہ ان حالات سے بے نیاز ہو کر ان نورانی فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور اپنے اندر کے چراغ کو جلا کر انھیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ایسے لوگ معاشرے میں جب زیادہ ہو جاتے ہیں تو معاشرہ بھی سدھر جاتا ہے۔نہ ہوں تو تب بھی کوئی مسئلہ نہیں۔ہم اندھیری رات کے مسافر ہیں۔ہماری منزل جنت ہے، دنیا نہیں۔میری بات یاد نہ رہے تو اقبال کی بات ہی یاد رکھ لیں۔''

تو اے مسافرِ شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

عارف کی بات ختم ہوگئی۔لوگوں نے جان لیا کہ ان میں سے ہر شخص ایک مسافر شب ہے جسے اپنی رات کو خود ہی روشن کرنا ہے۔

دو بنیادی غلطیاں

دنیا بھر میں دہشت گردی کے خلاف ایک شدید مہم چل رہی ہے۔ نیوزی لینڈ میں نماز جمعہ ادا کرنے والے درجنوں مسلمانوں اور سری لنکا میں ایسٹر کی تقریب کے دوران میں خودکش حملوں کا نشانہ بننے والے سیکڑوں مسیحیوں کے قتل کے بعد دنیا دہشت گردی کے خلاف سخت سے سخت اقدام اٹھارہی ہے۔ ہمارا وطن عزیز بھی ایک طویل عرصے تک دہشت گردی کا نشانہ رہا ہے اور ابھی بھی وقفے وقفے سے دہشت گردی کی وارداتیں ارض وطن کے گلی کوچوں کو خون سے رنگین کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ خود ہمارے ہاں دہشت گردی کے خلاف عام لوگوں میں ایک شدید ردعمل پایا جاتا ہے۔

تاہم دہشت گردی کے خاتمے میں ایک بنیادی چیز کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ دہشت گردی کرنے والے افراد کی حیثیت عام طور پر روبوٹ کی سی ہوتی ہے۔ یہ روبوٹ ایک کے بعد ایک پیدا ہوتے رہیں گے۔ جب تک کہ ان کو تیار کرنے والی فیکٹری کو بند نہیں کیا جاتا۔ یہ فیکٹری نفرت، تعصب اور انتہا پسندی پر مبنی وہ ذہن ہے جس کے حاملین کسی بھی جگہ، کسی بھی ادارے میں اور کسی بھی طبقے میں اطمینان کے ساتھ گھوم پھر رہے ہوتے ہیں۔

نفرت پر مبنی اس ذہن کی دو بنیادی اساسات ہیں جن کی غلطی واضح کرنا ضروری ہے۔ اس ذہن کی پہلی غلطی یہ ہے کہ یہ ذہن پیغمبری کا دعویٰ تو نہیں کرتا مگر عملی طور پر خود کو پیغمبری کے منصب پر فائز ضرور سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دین جس طرح اس نے سمجھ لیا، اس کو سمجھا دیا گیا وہ حرف آخر ہے۔ اس کا فہم غلط نہیں ہوسکتا۔ اس کی فکر ہر خطا سے پاک ہے۔ اس کا نقطہ نظر واحد حق ہے۔ غلطی، خطا بلکہ باطل پر دوسرے کھڑے ہیں۔ اپنے حق ہونے کا یہ یقین جو خدا کی دنیا میں صرف اور صرف انبیا علیہم السلام اور ختم نبوت کے بعد صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل

ہے، ایسے لوگ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور پھر دوسروں کے باطل ہونے اور ان کے گمراہ ہونے کا فتویٰ دیتے پھرتے ہیں۔

اس ذہن کی دوسری غلطی یہ ہے کہ یہ ذہن اس بات کو نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا امتحان کے لیے بنائی ہے۔ اس نے خود لوگوں کو یہ حق دیا ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے جو راستہ چاہیں اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو سمجھاتے ہیں، انھیں پکڑتے نہیں۔ چنانچہ لوگ شرک کرتے ہیں، بدعات میں مبتلا ہوتے ہیں، گمراہی کا شکار ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کو موت تک مہلت دیتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کا فیصلہ روز قیامت کریں گے۔ وہ یہ حق کسی اور کو نہیں دیتے کہ وہ لوگوں کے حق و باطل کا فیصلہ کرے اور پھر ان کے کفر و شرک کی بنیاد پر اس دنیا میں لوگوں پر کوئی سزا نافذ کرے۔

انھوں نے کبھی کسی قوم کو سزا دی ہے تو اسی وقت جب اس کے رسول دنیا میں موجود ہوتے ہیں اور وحی کی روشنی میں ان کے ماتحت خدا کی حکومت قائم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی سزا کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے یہ ذہن ان سارے حقائق سے ناواقف رہتا ہے۔ مگر حال یہ ہوتا ہے کہ وہ پورے اعتماد اور یقین سے گفتگو کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کی زبان شعلے اگلتی ہے۔ وہ اپنے الفاظ سے نفرت کے تیر برساتے ہیں۔ وہ کسی کو کافر قرار دیتے ہیں۔ کسی کو دشمن کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔ ان کی نیت پر حملے کرتے ہیں۔ ان کی موت کے پروانے جاری کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ رویہ ہے جو معاشرے میں پہلے نفرت اور پھر دہشت گردی کو جنم دیتا ہے اور انھی چیزوں نے آج اسلام کو دنیا بھر میں بدنام کر رکھا ہے۔

یہ وہ دو بنیادی غلطیاں ہیں جو اگر واضح ہو جائیں تو نفرت اور انتہا پسندی کی علمی اساس ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد صرف جذباتیت بچتی ہے جس کی علم کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں۔

قصور عمران خان کا نہیں

ملکی حالات نہ سدھرنے میں قصور عمران خان کا نہیں ہے۔ عمران خان وہی پروڈکٹ ہے جو ہماری فکری قیادت دوسوسال سے تیار کررہی ہے۔ یہ خواہش کہ بس کسی طرح اقتدار مل جائے تو جادو کی چھڑی گھمانے سے سب کچھ بدل جائے گا۔ یہ سوچ کہ ایک مسیحا آئے گا جو معاشرے کے مکمل بگاڑ کے باوجود سب کچھ ٹھیک کردے گا۔ یہ رویہ کہ اپنے دائرے میں جو ممکن ہے اسے چھوڑ کر ہر چیز کا الزام صاحبان اقتدار پر ڈال دینا۔ یہی دوسو برس سے ہماری فکری رہنمائی ہے اور نتیجے کے طور پر ویسی ہی سیاسی پروڈکٹ ہمیں ملتی ہے۔

ہم نے ایک تواتر کے ساتھ 2013 کے الیکشن کے بعد یہ لکھا تھا کہ احتجاج کی سیاست کو پارلیمنٹ تک محدود رکھتے ہوئے خان صاحب کے پی کے کو ماڈل صوبہ بنائیں۔ پارلیمنٹ میں سرگرم عمل ہو کر الیکشن اصلاحات، کرپشن کی روک تھام اور چھوٹے صوبوں کی تشکیل کے لیے کام کریں۔ اس کے بعد 2018 کا الیکشن بھی یقینی طور پر عمران خان ہی جیت جاتے۔ مگر الیکٹ ایبل کی بلا کو گلے میں ڈالے بغیر، کے پی کے میں حکومت چلانے کے بھرپور تجربے کے ساتھ اور ملک میں وہ معاشی انتشار برپا کیے بغیر جو پچھلی حکومت کو گرانے کی کوشش میں ہوا۔ ان سب کا فائدہ عمران خان کو ہوتا اور ان سے بڑھ کر ملک وقوم کو۔

مگر معقول باتیں اس ملک میں سننے کا رواج کم ہی ہے۔ چنانچہ سیاسی انتہا پسندی کے ماحول میں کوئی معقول بات نہیں سنی گئی۔ اس کے نتائج اب ہم سب کو بھگتنا ہوں گے۔ مگر اس وقت بھی ہم دو باتیں عرض کرنا چاہیں گے۔ اگر ان کو آج سن لیا گیا تو ملک بہتری کی طرف جائے گا۔ ورنہ قدرت کا قانون اٹل ہے۔ وہ ہماری خواہشات سے تبدیل نہیں ہوگا۔ خصوصاً ایسے حالات میں کہ جتنے ہمارے دوست ہیں، ان سے زیادہ ہمارے دشمن ہیں۔ ان میں سے ہر دشمن ہماری

حماقتوں کا فائدہ اٹھانے کے لیے موقع کا منتظر ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ تمام سیاسی دانشور مہربانی کر کے تھوڑا حوصلہ کریں اور عمران خان اور موجودہ حکومت کو تین چار سال کا موقع دیں۔حکومتی سطح پر نتائج پیدا کرنے کے لیے اور خاص کر کسی ناتجربہ کار ٹیم کو نتائج پیدا کرنے لیے وقت ملنا ضروری ہے۔غیر ضروری منفی باتیں کرنے، اپنے سیاسی کالم اور سیاسی ٹاک شو کا پیٹ بھرنے کے لیے قوم کو مزید مایوسی کے گڑھے میں دھکیلنے سے پرہیز کریں۔تنقید کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔مگر قوم کو مایوس نہیں کرنا چاہیے۔ان دو چیزوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

دوسرا کام خود عمران خان کو کرنا ہے۔ وہ کھل کر اعتراف کریں کہ انھوں نے اور ان کی پارٹی نے جس طرح پچھلی حکومت کے ہر اقدام کی اندھی مخالفت کی اور ان میں سے ہر کام وہ اب خود کر رہے ہیں وہ ان کی غلطی تھی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آئی ایم ایف کے پاس دوسرے جائیں تو غلط، پٹرول اور گیس دوسرے مہنگا کریں تو غلط، قرضے دوسرے لوگ لیں تو غلط اور عمران خان یہ سب کچھ کریں تو درست ۔اب تو یہ منطق بھی نہیں چل سکتی کہ یہ سب کچھ پرانی حکومت کی وجہ سے ہورہا ہے۔اپنی پوری ٹیم کو بدل کر حکومت نے خود اعلان کردیا ہے کہ ان کی ٹیم کی کارکردگی ہی درست نہیں تھی۔تاہم بے ہودہ تاویلات کا سلسلہ ابھی بھی جاری رکھا گیا تو معاشرے میں سیاسی تعصب اور لیڈروں کے اندھے عشق کے سوا کوئی اور روش پروان نہیں چڑھے گی۔

یہ دو چیزیں ہیں جن کو ہماری حکومت اور سیاسی دانشوروں نے اگر سن لیا تو ملک کے حالات میں بہتری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ورنہ جو کچھ قانون قدرت ہے وہ اقبال بیان کر چکے ہیں۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

گھریلو تشدد اور اسلام

[یہ اس تقریر کا اردو متن ہے جو ابو یحییٰ صاحب نے انگریزی زبان میں یونیورسٹی آف ویسٹرن آسٹریلیا، پرتھ کے سینٹر آف مسلم اسٹیٹ اینڈ سوسائٹیز میں اسکالرز اور طلبا و طالبات کے سامنے کی۔'']

حاضرین گرامی قدر۔ میں گفتگو کے آغاز میں سب سے پہلے ڈاکٹر ثمینہ یاسمین اور ڈاکٹر عظیم کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ انھوں نے مجھے اس معزز تعلیمی ادارے میں آکر گفتگو کا موقع فراہم کیا۔

جس موضوع پر آج مجھے یہاں اپنی گزارشات پیش کرنی ہیں یعنی domestic violence وہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہم سب اتفاق کریں گے کہ مہذب معاشروں میں گھریلو تشدد کا ہونا ایک قابل شرم بات ہے۔ مگر بدقسمتی سے یہ ایک حقیقت ہے کہ تمدن کی تمام تر ترقی کے باوجود مشرق ہو یا مغرب، ہر جگہ خواتین کو گھر کے اندر اور باہر بہت سی زیادتیوں، مشکلات اور خوف کا سامنا ہے۔ گھریلو تشدد اس ظلم کی ایسی ہی ایک قسم ہے۔

ایک زمانے تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ گھریلو تشدد پدرسری (patriarchal) نظام کا لازمی خاصہ ہے۔ یہ ختم ہوگا اور خاندان کے ادارے میں مرد و عورت کی حیثیت برابر ہو جائے گی تو اس کا خاتمہ بھی ہو جائے گا۔ تاہم باوجود اس کے کہ ہم زرعی دور سے گزر کر صنعتی بلکہ انفارمیشن ایج میں داخل ہو چکے ہیں اور اب خاندان مرد و زن کی برابری کے اصول پر بنائے جا رہے ہیں، یہ مسئلہ پوری قوت سے باقی ہے۔

ہمارے جیسے ملک میں گرچہ گھریلو تشدد کے واقعات کو رپورٹ کرنے کا رجحان بہت کم ہے، لیکن اپنے عوامی اور مذہبی پس منظر کی بنا پر مجھے یہ اندازہ ہے کہ خواتین پر گھریلو تشدد کا رجحان اس سے کہیں زیادہ موجود ہے جتنا بعض این جی اوز بیان کرتی ہیں۔ یہ دیہی علاقوں کا نہیں بلکہ شہری

علاقوں کا معاملہ بھی ہے جہاں پدرسری (patriarchal) نظام عملی طور پر دم توڑ چکا ہے۔ مغربی ممالک میں جہاں خاندان مرد و زن کی برابری کے اصول پر بنتے ہیں یہاں بھی خواتین کو گھریلو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اس کی بہت کچھ تفصیل انٹرنیٹ پر ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔

چنانچہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ یہ ایک عالمگیر مسئلہ ہے۔اس کا تعلق پدر سری (patriarchal) معاشرے سے اتنا نہیں ہے جتنا سمجھا جاتا ہے۔اس کی اصل وجوہات انسانی نفسیات میں پائی جانے والی کچھ کمزوریاں ہیں۔اسلام نے انھی کمزوریوں کی اصلاح کر کے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔تاہم قبل اس کے کہ اس حوالے سے میں اسلام کا حل پیش کروں، ضروری ہے کہ ان وجوہات کا جائزہ لیا جائے جو اس مسئلے کے پیچھے کارفرما ہیں۔

انسانی نفسیات کی شاید یہ سب سے بڑی کمزوری ہے کہ طاقت انسان کو ظلم و زیادتی کی طرف لے کر جاتی ہے۔اس حوالے سے تین چیزیں ایسی ہیں جو کہیں جمع ہو جائیں تو اکثر طاقت ظلم میں بدل جاتی ہے۔پہلی چیز یہ کہ طاقت ظلم میں اسی وقت بدلتی ہے جب سامنے کوئی کمزور شخص ہو۔زیادہ طاقتور کے مقابلے میں طاقت استعمال نہیں ہوسکتی۔دوسری چیز یہ ہے کہ طاقت ظلم و تشدد میں اسی وقت بدلتی ہے جب طاقتور کو کسی بالاتر اتھارٹی کا خوف نہ ہو جو اسے اس ظلم و تشدد پر پکڑ سکے۔سامنے والا کمزور ہو، لیکن ہمیں معلوم ہو کہ ظلم کی شکل میں تیسری اتھارٹی پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آئے گی، یہ چیز بھی ہمیں طاقت کے غلط استعمال سے روکتی ہے۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ طاقت عام طور پر اسی وقت استعمال ہوتی ہے جب انسانوں میں اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔یہ اختلاف جھگڑے تک پہنچتے ہیں اور پھر یہی وہ وقت ہوتا ہے جب طاقت ور اشتعال میں آ کر کمزور انسان پر تشدد کرتا ہے۔

بدقسمتی سے طاقت کے حوالے سے یہ تینوں چیزیں ایک گھر میں ایک ساتھ جمع ہوتی ہیں۔ خاندان کا ادارہ مرد اور عورت کے تعلق سے وجود میں آتا ہے۔اس تعلق میں ایک طرف مرد ہے

جو جسمانی طور پر طاقتور ہے اور دوسری طرف عورت ہے جو جسمانی طور پر کمزور ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ گھر میں اکثر حالات میں مرد و عورت تنہا رہتے ہیں یا پھر اس گھر میں کچھ بچے ہوتے ہیں۔ یا ہمارے مشرقی سماج کی بات کی جائے تو کچھ بزرگ ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی میں اتنی طاقت نہیں ہوتی ہے کہ مرد تشدد پر آمادہ ہو جائے تو عورت کو بچا سکے۔ چنانچہ مرد ان سب سے بے خوف ہو کر اپنی طاقت کا استعمال کر لیتا ہے۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے جس میں دو مختلف مزاج، ذہن اور پس منظر کے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ چنانچہ اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری بات ہے۔ یہ اختلافات بڑھ جائیں تو فریقین میں اشتعال پیدا کرتے ہیں۔ بیوی غصے میں آئے گی تو شاید اس کے غصے کا اظہار کسی اور طرح ہو، مگر شوہر غصے میں آتا ہے تو اس کا نتیجہ بارہا بیوی پر تشدد کی شکل میں نکلتا ہے۔

خاندان کے رشتے میں انھی تینوں چیزوں کی موجودگی وہ سبب ہے جس کی بنا پر سماج کی تمام تر کوششوں کے باوجود گھریلو تشدد ایک مسئلہ بنا ہوا ہے اور ہر دور میں بنا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خاندان بنے گا تو گھر میں ایک طاقتور مرد اور کمزور عورت موجود رہیں گے۔ جب تک انسان ہیں، اس مسئلے کو حل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

البتہ گھریلو تشدد کی اگلی وجہ پر قابو پانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یعنی طاقتور فریق کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر تم نے تشدد کیا اور بیوی نے ریاست اور قانون سے مدد مانگ لی تو تمھیں سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ حل مغربی ممالک میں اپنایا گیا ہے اور ہمارے معاشرے میں بھی خاندانی اور سماجی دباؤ کے ذریعے سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر اس حل میں دو مسائل ہیں۔ ایک یہ کہ گھریلو تشدد باہر کیے جانے والے کسی تشدد سے مختلف ہوتا ہے۔ گھر سے باہر کوئی شخص کسی پر تشدد کرے تو انسان فوراً قانون کی مدد لے کر بدلہ لینا چاہے گا۔ مگر گھر میں خواتین کے سامنے دو مسائل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ تشدد کرنے والا اس کا لائف

پارٹنر ہے۔عورت فطری طور پر اپنا گھر ٹوٹنے سے بچانا چاہتی ہے۔معاملہ قانون تک گیا تو گھر ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔یہ صورتحال اسے معاملے کو رپورٹ کرنے سے روکتی ہے۔دوسرا یہ کہ یہ تشدد کرنے والا شوہر اس خاص موقع کے علاوہ ممکنہ طور پر محبت کرنے والا شخص ہوتا ہے۔اس سے جذباتی وابستگی اور مادی منفعت بھی وابستہ ہوتی ہے۔بارہا یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شوہر وقتی اشتعال میں مارنے کے بعد معافی مانگ لیتا ہے۔چنانچہ جب تک انتہا نہ ہوجائے خواتین عام طور پر گھریلو تشدد کے خلاف آواز نہیں اٹھاتیں۔اس لیے ریاست کی مکمل مدد کے باوجود یہ مسئلہ حل نہیں ہو پاتا۔اور اگر قانون مداخلت کرے تو خاندان ٹوٹنے کا امکان بڑھ جاتا ہے جو خود ایک مسئلہ ہے۔

تیسری چیز بھی ایسی ہے جس کا کوئی حل نکالنا آسان نہیں ہے۔یعنی اختلاف اشتعال میں اور اشتعال تشدد میں بدل جاتا ہے۔جب پدرسری خاندانی نظام کو تشدد کے اس مسئلے کا ذمہ دار سمجھا گیا تو خاندان برابری کے اصول پر بنا دیا گیا۔لیکن خاندان اگر اس اصول پر بنا ہے کہ مرد اور عورت بالکل برابر کے پارٹنر ہیں تو اختلاف کی صورت میں اکثر فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ کس کی بات مانی جائے۔یوں غصے اور اشتعال کی ایک فضا گھر میں قائم رہے گی۔اس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ گھر ہی ٹوٹ جاتا ہے اور بچے ماں باپ کی مشترکہ شفقت سے محروم ہوجاتے ہیں۔دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ اختلاف اور اشتعال کی اس فضا میں کسی بھی وقت تشدد کا ظہور ہوسکتا ہے۔

اس طالب علم کے نزدیک اسلام اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ان تینوں وجوہات کو ایڈریس کرتا ہے۔جس سے یہ مسئلہ بڑی حد تک ختم ہوجاتا ہے۔مگر اسلام کا حل پیش کرنے سے پہلے یہاں میں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ تشدد اور ظلم کا یہ مسئلہ تنہا گھریلو تشدد تک محدود نہیں۔یہ انسانی نفسیات کی کمزوری ہے کہ انسان کمزور کے مقابلے میں اخلاقی حدود کی کہیں بھی پاسداری نہیں کرتا اور ہر جگہ ظلم و تشدد پر آمادہ ہوجاتا ہے۔خواتین کو اپنی اس کمزوری کی بنا پر گھر سے باہر بھی

تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ معاشرے میں طاقتور طبقات کمزور طبقات پر ظلم کرتے ہیں۔ طاقتور اقوام کمزور اقوام پر ظلم کر کے ان کو بعض اوقات برباد کر دیتی ہیں۔ ہم یہ سب کچھ روز اپنی آنکھوں سے ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اسلام کا حل نہ صرف گھریلو تشدد بلکہ ظلم کی ہر قسم کو ختم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

اسلام کے نزدیک خرابی دراصل انسان کی ہے۔ چنانچہ قرآن نے نہ صرف گھریلو تشدد بلکہ ظلم و زیادتی کی ہر قسم کو ختم کرنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ قانون سازی سے زیادہ انسانوں کی تربیت پر مبنی ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پیچھے جو تین مسائل میں نے گنوائے ہیں ان میں سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ خاندان جسمانی طور پر ایک طاقتور مرد اور ایک کمزور عورت سے مل کر بنتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کائنات بنانے والے کی اپنی اسکیم ہے جس میں مرد جسمانی طور پر عورتوں سے طاقتور ہیں بلکہ ہر جگہ ہی کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی مصلحتیں ہیں مگر وہ اس وقت میری گفتگو کا موضوع نہیں۔ بہرحال قرآن میں اللہ تعالیٰ جب گفتگو کرتے ہیں تو وہ طاقت کے اس توازن کو بدلنے کی بات نہیں کرتے بلکہ انسانوں کا تصور زندگی بدلنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں واضح کرتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان امتحان کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہاں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ کون ہے جو اپنے اختیار اور طاقت کو خدا کے حکم کے سامنے جھکا کر طاقت کے بجائے اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر زندگی گزارتا ہے۔ جو لوگ یہ کریں گے وہ آنے والی دنیا میں ہمیشہ کی کامیابی پائیں گے۔ جو لوگ طاقت پا کر سرکشی اور ظلم کا ارتکاب کریں گے وہ جہنم کی ابدی سزا پائیں گے۔

اس لیے اس دنیا میں مقابلے کا اصل میدان یہ نہیں کہ جو فطرت خدا نے بنادی ہے اس سے جنگ کی جائے بلکہ کرنے کا کام یہ ہے کہ اخلاقی میدان میں جدوجہد کی جائے تاکہ آنے والی دنیا

میں انسان کامیابی پائے۔ چنانچہ قرآن ان معیارات کے بیان سے بھرا ہوا ہے۔ میں صرف ایک مقام یعنی سورہ نحل آیت 90 کو سامنے رکھ رہا ہوں۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَآءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (90)

یہ آیت گرچہ ہر جگہ انسان کو زندگی گزارنے کا بنیادی اصول دیتی ہے، مگر نکاح کے رشتے میں بندھنے والے مرد کے لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ بیوی سے عدل کرے یعنی جو اس کا حق ہے اسے دے۔ اس کے ساتھ احسان کرے۔ یعنی اسے اس کے حق سے زیادہ دے۔ تیسرا یہ کہ اس پر اپنا مال خرچ کرے۔ خیال رہے کہ نکاح کے رشتے میں دین اسلام کا قانون یہ ہے کہ عورت کی رہائش، لباس، خوراک اور ہر دیگر ضرورت پوری کرنے کی ذمہ داری مرد کی ہے۔ عورت چاہے تو کام کرے اور کمائے، مگر اس کے پیسوں پر مرد کا کوئی حق نہیں۔ لیکن مرد کے پیسے پر عورت کا مکمل حق ہے۔ اور یہ حق اخلاقی نہیں بلکہ قانونی حق ہے۔

اس کے بعد اس آیت میں تین چیزوں سے روکا گیا ہے۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے بے وفائی نہ کرے۔ دوسری عورتوں سے ناجائز تعلق رکھ کے اسے ذہنی اذیت نہ دے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بہت سے مردوں کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دوسری چیز یہ کہ انسانی تعلقات میں جو چیزیں مسلمہ طور پر برا رویہ سمجھی جاتی ہیں ان میں سے کسی کا مظاہرہ نہ کرے۔ اور آخری چیز یہ کہ بیوی پر کسی قسم کے ظلم و زیادتی کا ارتکاب نہ کرے۔ یہ ساری چیزیں خواتین سے بھی اسی طرح مطلوب ہیں، مگر مرد چونکہ طاقتور ہے اور خلاف ورزی کا اندیشہ بھی اسی سے ہے اس لیے مرد بدرجہ اولیٰ ان آیات کے مخاطب ہیں۔

آپ غور کیجیے اگر یہ چھ چیزیں کسی بھی تعلق میں موجود ہیں تو اس میں نہ بیوی کو ذہنی اذیت ملے گی۔ نہ جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا۔ نہ اس کے ساتھ کوئی اور برا رویہ اختیار کیا جائے

گا۔ بلکہ مرد کا مال عورت پر خرچ ہوگا۔ وہ اس کے ساتھ عدل ہی نہیں کرے گا بلکہ احسان بھی کرے گا۔اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان کیا ہے۔

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل خانہ یعنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے اور میں سب سے بڑھ کر اپنے اہل خانہ کے ساتھ اچھا ہوں،(ترمذی، رقم3895)۔

پھر مردوں کو مزید اس رشتے کے حوالے سے خاص طور پر یہ بات سمجھائی گئی ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً،(النساء19:4)

یہ آیت مردوں کی اس نفسیات کو ایڈریس کرتی ہے جس میں کوئی لڑکی شادی سے پہلے بڑی اچھی لگتی ہے، مگر شادی کے بعد اس کے عیب نظر آنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھاتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ بیوی کی کوئی بات تمھیں ناپسند ہو لیکن درحقیقت اللہ نے اس میں بہت خیر رکھی ہے۔ جسے تم اپنے ذاتی رجحان کی بنا پر نہ دیکھ سکتے ہو۔ بیوی کی خامیوں کے متعلق بھی یہ مثبت سوچ اس رشتے میں دراڑ پیدا ہونے سے روکتی ہے۔

اسلام کی ان تعلیمات کو اگر کوئی شخص مانتا ہے تو پھر گویا کہ اللہ تعالیٰ نے خاندان میں موجود طاقتور مرد کو اس کے اندر سے اس طرح جکڑ دیا ہے کہ وہ کبھی اپنی بیوی کے ساتھ برا نہیں ہوسکتا۔ اس کی طاقت کبھی ظلم، برائی اور تشدد میں نہیں بدلے گی۔ بلکہ بیوی ہمیشہ اپنے شوہر میں ایک بہترین انسان کا تجربہ کرے گی۔

اب رہی دوسری بات یعنی طاقتور کمزور کے مقابلے میں بے خوف ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے ظلم پر اسے کوئی پکڑنے نہیں آئے گا، قرآن نے اس کو اپنا مستقل موضوع بنالیا ہے۔ چنانچہ جو حکم آپ کو قرآن میں سب سے زیادہ نظر آئے گا وہ اللہ کے تقویٰ کا حکم ہے۔ تقویٰ کا مطلب ہے کہ انسان یہ جان لے کہ خدا بہت طاقتور ہے اور انسان کسی صورت اس کی پکڑ سے بچ

کر نہیں بھاگ سکتا۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا تمھاری نگاہ کی خیانت بھی جانتا ہے اور جو تمھارے دل میں پوشیدہ ہے وہ بھی۔ تمھاری زبان سے ایک لفظ نہیں نکلتا مگر یہ کہ اسے ایک لکھنے والا لکھ لیتا ہے۔ تمھارے پاس ہمیشہ فرشتے رہتے ہیں جو تم کرتے ہو وہ سب لکھتے رہتے ہیں۔ قیامت کے دن جب تم اس کے سامنے پیش ہو گے تو اپنے ایک ایک قول و فعل کو وہاں پاؤ گے۔ رائی کے دانے برابر بھی برائی کرو گے تو اسے اپنے نامہ اعمال میں دیکھ لو گے۔

وہ یقین دلاتا ہے کہ قیامت کے دن کی یہ پیشی ہر حال میں ہوگی۔ ایک روز سب لوگ دوبارہ زندہ کر کے خدا کے حضور پیش کیے جائیں گے۔ منکرین نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مردے دوبارہ زندہ ہوں۔ خدا جواب دیتا ہے ہم اگر پہلی دفعہ تمھیں پیدا کر سکتے ہیں تو دوبارہ کیوں نہیں کر سکتے۔ پھر قرآن خاص طور پر جنت اور جہنم کا تفصیلی نقشہ کھینچ کر لوگوں کو اپنا رویہ تبدیل کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ جنت جس کا نقشہ قرآن دو جملوں میں اس طرح کھینچتا ہے کہ اس میں جو تمھارا دل چاہے گا وہ ملے گا اور جو تم مانگو گے وہ دیا جائے گا، اسی بات کا بدلہ ہے کہ انسان نے خدا کے خوف سے طاقت کے بجائے اخلاقی اصولوں پر زندگی گزاری۔ جہنم کو البتہ وہ ظلم کا بدلہ قرار دیتا ہے۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْماً، (طٰہٰ 20:111)

چنانچہ اگر کوئی انسان اس تصور کے ساتھ زندہ ہے کہ وہ خدا کی ہر لمحہ نگرانی میں ہے۔ وہ اس سے بچ کر کہیں نہیں بھاگ سکتا۔ اور ایک روز اس کا ہر قول و فعل اس کے سامنے پیش کر کے خدا اس کا حساب لے گا اور اس کے ظلم پر سخت سزا دے گا تو پھر انسان اپنی ساری طاقت کے باوجود ظلم کا ارتکاب کرتے ہوئے ہزار دفعہ سوچے گا۔

گھریلو تشدد میں آخری چیز میاں بیوی کا اختلاف ہے جو بڑھ کر اشتعال کا باعث بنتا ہے اور تشدد کو جنم دیتا ہے۔ تاہم جہاں تک اختلاف کا تعلق ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بالکل فطری

چیز ہے۔ ہر انسان جو اس بندھن میں بندھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ اختلاف نہ ہو۔ تاہم اس کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں شادی کا رشتہ اصل میں محبت کا رشتہ ہے۔ اپنے اختلافات کے باوجود انسان خاندان کی شکل میں مل کر رہتے ہیں۔ محبت سے رہتے ہیں۔ وہ اپنے اختلاف کو بات چیت اور کچھ لو اور دو کی بنیاد پر حل کر لیتے ہیں۔ کبھی ایک فریق کی بات مان لی جاتی ہے کبھی دوسرے کی۔ محبت کے اس رشتے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

تاہم کبھی یہ اختلاف اتنا گہرا ہوتا ہے کہ کوئی فریق پیچھے ہٹنے پر تیار نہیں ہوتا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے ایک فیصلہ دے دیا ہے۔ وہ یہ کہ مسئلہ حل نہ ہو تو خواتین کو شوہر کی بات مان لینی چاہیے۔ یوں قرآن نہ صرف جھگڑے اور تشدد کو پیدا ہونے سے پہلے روک دیتا ہے بلکہ عورت کی نفسیات کو یہ تسکین دیتا ہے کہ اس نے اگر بات مانی ہے تو یہ شوہر کی نہیں بلکہ خدا کی بات مانی ہے۔ اس کا اجر وہ خدا کے ہاں پائیں گی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مردوں کو ظلم و زیادتی کی اجازت دے دی گئی ہے۔ شوہر کا کوئی فیصلہ ظلم و زیادتی پر مبنی ہے تو وہ اس کی سزا پائے گا۔

اس طرح قرآن نے اس تیسرے مسئلے کو حل کیا ہے جو گھریلو تشدد کو جنم دیتا ہے۔ یعنی اختلاف ہو گیا ہے اور یہ فیصلہ ہی نہیں ہو رہا کس کی بات مانی جائے۔ ایسے میں قرآن نے عورتوں کو کہہ دیا ہے کہ اختلاف کی شکل میں آپ کو مرد کا فیصلہ قبول کرنا ہو گا۔ جس کے بعد جھگڑا ختم ہو جائے گا اور مرد کے پاس کوئی وجہ نہیں رہے گی جو اسے اشتعال میں لائے اور تشدد پر ابھارے۔

تاہم بعض اوقات اختلاف کی یہ خلیج بڑی گہری ہوتی ہے۔ چنانچہ پھر اسلامی شریعت یہ راستہ تجویز کرتی ہے کہ دونوں میں سے جو فریق چاہے اس رشتے کو ختم کر دے۔ دونوں کے لیے علیحدگی کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ یہ خاندان کے حوالے سے اسلام کی شریعت ہے جو ہر طرح کے

اختلافات میں ایک فیصلہ کن راستہ دکھاتی ہے اور گھریلو تشدد کے مسئلے کو حل کرتی ہے۔

البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض انسان اصولوں کے مطابق نہیں جیتے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو علیحدہ بھی نہیں ہوتے اور آپس میں جھگڑتے بھی رہتے ہیں۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ بتایا ہے۔ یہ کوئی شریعت کا قانون نہیں جس کی پابندی لازمی ہے بلکہ ایک سماجی ہدایت ہے۔ یہ سماجی ہدایت ایک ایسے معاشرے میں بہت مفید ہے جہاں خاندان کا اثر بہت مضبوط ہوتا ہے۔ وہ ہدایت یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کے خاندان سے ایک ایک ثالث آئے اور فریقین سے بات کر کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس سے امید یہ ہے کہ دونوں خاندانوں کے لوگوں کے بیچ میں پڑنے اور سمجھانے بجھانے سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ چونکہ شریعت کا کوئی ضابطہ نہیں ہے اس لیے اس مرحلے سے گزرے بغیر بھی لوگ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آج کے نئے تمدن میں جب نیوکلس فیملی یعنی میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل خاندان کا دور ہے تو دونوں خاندانوں کے بجائے عدالت یا حکومت کے مقرر کردہ لوگ یا کونسلر وغیرہ ثالثی کا یہ کام کریں۔ دین کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

میاں بیوی کے رشتے میں ایک اور مسئلہ ان خواتین کی طرف سے پیدا ہوتا ہے جو خدا کے بنائے ہوئے اس نظم کو چیلنج کر دیتی ہیں کہ میاں بیوی کے فیصلہ کن اختلاف کی شکل میں انھیں شوہر کی بات ماننی ہے۔ وہ شوہر سے ہر طرح کے فائدے لے رہی ہوتی ہیں جو خدا نے انھیں دلوائے ہیں یعنی گھر، لباس، خوراک اور ہر طرح کے ذاتی خرچے مگر جواب میں وہ نہیں کرتیں جو ان سے کہا گیا ہے۔ وہ شوہر سے طلاق لے کر الگ بھی نہیں ہوتیں اور نہ شوہر کو شوہر سمجھنے کے لیے تیار ہوتی ہیں۔ یعنی مسئلہ اختلاف کا نہیں ہے بلکہ بغاوت کا ہے۔ زمانہ قدیم کے پدرسری سماج میں مرد ایسی عورتوں پر فوراً ہاتھ اٹھا دیتے تھے۔ یوں گھریلو تشدد جنم لیتا تھا۔

قرآن مجید نے اس صورتحال میں مداخلت کر کے ایک اور سماجی ہدایت کی۔ وہ یہ کہ مردوں

سے کہا گیا جب بغاوت کی یہ صورتحال ہوتو پھرتم پہلے مرحلے پر خاتون کو خود سمجھاؤ۔ جب یہ سمجھانے کے عمل کا کوئی فائدہ نہیں دے تو تم دوسرے مرحلے میں اپنا بستر الگ کرلو اور الگ سونا شروع کردو۔ یہ علامتی طور پر تمھارے غصے اور ناراضی کا اظہار ہوگا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ خاتون کو بھی فیصلہ کرلینا چاہیے کہ اسے اپنا رویہ درست کرکے ساتھ رہنا ہے یا شوہر کا گھر چھوڑ کر الگ ہوجانا ہے۔ لیکن اس دوسرے مرحلے کے بعد بھی وہ فائدہ کوئی نہیں چھوڑنا چاہتی، خلع بھی نہیں لے رہی تو پھر تیسرے مرحلے میں قرآن نے مردوں کو پدرسری معاشرے میں ملے ہوئے اس حق کو بہت محدود سطح پر استعمال کرنے کی اجازت دی جس میں عورت کو کچھ ہلکی پھلکی ضرب لگا کر ان کو تنبیہ کرسکتے تھے۔

یہ وہ سماجی ہدایت ہے جس کے بارے میں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے گھریلو تشدد کی اجازت دی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ قدیم پدرسری معاشرے میں گھر کے سربراہ کا یہ مسلمہ حق تھا کہ وہ کسی کی اصلاح کے لیے اسے مارسکتا ہے۔ قرآن نے اس میں مداخلت کرکے دو بنیادی اصول طے کردیے۔ ایک یہ کہ پدرسری معاشرے میں شوہر کا جو حق مطلقاً تھا اس کو صرف ایک صورت کے ساتھ محدود کردیا یعنی جب خاتون مکمل بغاوت کردے اور گھر اور مرد کو چھوڑنے پر بھی آمادہ نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ فوری اشتعال کے ہر امکان کو ختم کرکے اس سے پہلے دو مرحلے طے کردیے۔ جس کے بعد مرد وزن دونوں کے پاس موقع ہے کہ اس رشتے کو ختم کرکے الگ ہوجائیں۔

یوں قرآن نے بڑی حکمت سے پدرسری معاشرے سے تشدد کا وہ رجحان ختم کرنے کی کوشش کی جو عام تھا۔ تاہم ہم یہ دہرادیں کہ یہ شریعت کا کوئی حکم نہیں کہ جسے مرد کو ہر حال میں پورا کرنا ہے۔ شریعت کا قانون یہ ہے کہ آپ خاتون کے ساتھ گزارا نہیں کرنا چاہتے تو الگ ہوجائیں۔ یہی قانون عورت کے لیے ہے کہ اسے ساتھ نہیں رہنا تو الگ ہوجائے۔ تاہم اب

جبکہ عورت پر ہاتھ اٹھانے کی روایت کو سماجی طور پر برا سمجھا جاتا ہے تو سماج اور ریاست اس طرح کے مسائل حل کرنے کے لیے کوئی دوسرا راستہ تجویز کر سکتی ہے، کیونکہ یہ کوئی شرعی ضابطہ نہیں بلکہ پدری سری سماج میں دی گئی ایک سماجی ہدایت تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ جس وقت پدرسری معاشرے میں اس کو ان مراحل کے بعد روا رکھا گیا تھا تب بھی اس کی نوعیت تشدد کی ہرگز نہیں تھی۔ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے چہرے پر مارنے سے منع کیا تھا۔ اس زور سے مارنے سے منع کیا تھا جس سے جسم پر کوئی نشان رہ جائے۔

اس ہدایت کی وجہ یہ تھی اسلامی معاشرے میں نہ صرف گھریلو بلکہ ہر قسم کے تشدد کو ختم کرنے کے لیے شریعت نے ایک قانون بنا دیا تھا جسے قصاص کا قانون کہتے ہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالأَنفَ بِالأَنفِ وَالأُذُنَ بِالأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (45) ،(المائدہ 45:5)

یہ قانون واضح ہے کہ ہر قسم کے جسمانی نقصان اور زخم کا بدلہ لیا جانا فرض ہے۔ اس میں میاں بیوی کو کوئی استثنا نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شوہر اگر بیوی کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنائے گا تو قصاص کے اس قانون کے مطابق ریاست جواب میں اس شوہر کے ساتھ وہی سلوک کرنے کی پابند ہے۔

یہ اسلام کی وہ جامع اور ہمہ گیر رہنمائی ہے جو نہ صرف عورتوں بلکہ ہر طرح کے کمزوروں پر ظلم کا راستہ روکتی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آنے والی دنیا میں بھی۔ قانون سازی کے ذریعے سے بھی اور کردار سازی کے ذریعے سے بھی۔ اگر اس کے باوجود دنیا میں تشدد پایا جاتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ اس لیے ہے کہ لوگ اس حل کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

ڈاکٹر خالد الشافعی/محمد سلیم

نعمتوں کا شکرادا کرنا سیکھیے

ڈاکٹر خالد الشافعی مصری ہیں اور مصر کے نیشنل اکنامکس سٹڈی سنٹر میں منیجر ہیں۔ ان کے ایک حادثاتی تجربے سے کچھ سیکھیے۔ لکھتے ہیں:

اسی گزرے اٹھارہ مارچ کو عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا تھا کہ میرا توازن بگڑا، گرا اور پاؤں ٹوٹ گیا۔

ہسپتال گیا، ایکسرے کرایا، ڈاکٹر نے تشخیص کیا کہ پاؤں میں ٹخنے اور انگلیوں کو آپس میں جوڑنے والی ہڈی (پانچویں میٹیٹسل بیس) ٹوٹ گئی ہے۔

پاؤں پر پلستر ٹانگ اور گھٹنے کو ملا کر چڑھا دیا گیا۔ ڈاکٹر نے نوید سنائی کہ پلستر ڈیڑھ سے دو مہینے تک چڑھا رہے گا۔

میں بڑا حیران۔ یہ ڈاکٹر کہتا کیا ہے؟ بس ایک چھوٹا سا کنکر میرے پیر کے نیچے آیا تھا۔ نہ کسی گاڑی نے مجھے ٹکر ماری ہے اور نہ ہی میں کسی اونچائی سے گرا ہوں۔

اس دن شام کو گھر واپس پہنچنے پر مجھ پر بہت ساری حقیقتیں کھلنا شروع ہوئیں، بہت سارے سبق اور بہت ساری عبرتیں ملنا شروع ہوئیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مجھ پر پاؤں کی اہمیت آشکار ہونا شروع ہوئی اور مجھے اپنے پاؤں کی ایسی ایسی خدمات اور ایسے ایسے استعمالات کا پتہ چلنا شروع ہوا جنہیں میں نے آج تک محسوس بھی نہیں کیا تھا۔ میرے لیے حمام جانا ایسا مشن بن گیا جس کے لیے باقاعدہ تیاری، منصوبہ سازی، ترتیب اور شدید توجہ کی ضرورت ٹھہری۔ وضو کرنا، نماز پڑھنا، حوائج ضروریہ کیلئے جانا ایسے کام بن گئے جن کیلئے مافوق الخیال تیاریاں کرنا پڑتی تھیں۔ اس حادثے کے دوسرے دن فجر کے وقت حمام چلا گیا، وضو کے بعد ایسا گرا کہ ابھی تک یقین نہیں آیا کہ بچ کیسے گیا ہوں، حالانکہ یہ والا گرنا سیدھی سیدھی موت یا کم ازکم فالج تھا۔

گھر میں میری اکیلے نقل و حرکت بند ہوگئی، ضروری ٹھہرا کہ کوئی نہ کوئی میری خدمت یا میرا

خیال رکھنے کیلئے ہمہ وقت موجود رہے۔ سارے گھر والوں کیلئے باہر آنا جانا باقاعدہ صلاح مشورے، باری بندی اور ترتیب سے مشروط ٹھہرا۔ پورے گھر کا نظام اس چھوٹے سے حادثے کی وجہ سے درہم و برہم ہو گیا۔ میرے لیئے حمام بہت دور کی چیز بن گئی اور کچن تو دوسرے براعظم پر واقع مقام بن گیا۔ مجھے پہلی بار ایسے لوگوں کے محسوسات جاننے کا تجربہ ہوا جنہیں کسی مرض نے یا ان کے بڑھاپے نے بٹھا دیا ہو، یا جن کی زندگی دوسروں کی مدد کی محتاج بن گئی ہو یا دوسروں کی مدد کے بغیر ناممکن بن کر رُک گئی ہو۔ یقین کیجیے کہ میں، ایک پاؤں کی اتنی اہمیت بھی ہو سکتی ہے، کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرا ایک پاؤں کیا خراب ہوا میری زندگی ہی معطل ہو کر رہ گئی، میرا سب کچھ ہی بدل کر رہ گیا۔

ایک دن کچھ وقت کے لیے گھر پر اکیلا تھا۔ بوڑھوں والے واکر کو پکڑ کر ایک ٹانگ کے ساتھ کچن میں گیا، اپنے لیے ایک چائے بنا کر ہٹا تو مجھ پر ایک نئی اور ایسی حقیقت کھلی جو کبھی بھی میرے دماغ میں نہ آ سکتی تھی، اور وہ یہ کہ چائے کا کپ پکڑ کر واپس کیسے جاؤں تاکہ مزے سے ٹیلیویژن کے سامنے بیٹھ کر پی سکوں۔ اب یہ عقدہ کھلا کہ چائے کا کپ پکڑ کر اپنے پیروں پر چلتے ہوئے آنا بھی ایک ایسی نعمت ہے جس پر بہتوں کا خیال ہی نہیں جاتا۔

ایک چھوٹے سے کنکر نے میری زندگی کے سارے معمولات ہی بدل کر رکھ دیئے۔ صبح کو اپنے پیروں پر چل کر نکلا تھا شام کو دوستوں کے کندھوں پر سوار لوٹا۔

دو اپریل کی رات کو مجھے ٹوٹے ہوئے پیر والی ٹانگ میں شدید اور ناقابل برداشت درد ہوا۔ آدھی رات کو بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچے۔ جلدی سے پلستر کاٹا گیا، سی ٹی سکین ہوا تو پتہ چلا کہ ٹانگ کی اندرونی وریدوں میں خون کا بہاؤ رُک گیا تھا اور پتہ یہ چلا کہ یہ پلستر کی وجہ سے ٹانگ میں حرکت نہ ہونے کی وجہ سے ہوا تھا۔ درد کی شدت سے میری دھاڑیں نکل رہی تھیں۔ اس بار مجھے ایک نئے تجربے سے گزرنا پڑا۔ مجھے یکے بعد دیگرے پیٹ میں کئی ٹیکے لگائے گئے۔ ان ٹیکوں کا اپنا درد ایک نئی قیامت تھی۔ اور اس قیامت خیز حالت میں، میں اس ٹیکے کے بارے میں نہیں جو میرے پیٹ میں لگا ہوتا تھا، بلکہ اس ٹیکے کے بارے میں سوچتا تھا جو لگائے جانے کیلئے

ابھی تیار ہو رہا ہوتا تھا۔ مجھے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ کھانسی کا شدید دورہ پڑا تو ڈاکٹر کو شک گزرا کہ وریدوں میں خون کی رکاوٹ اندرونی سوجن پیدا کر رہی ہے اور ہو نہ ہو اس حالت میں میرے پھیپھڑے متاثر ہو چکے ہیں۔ مسجد کے سامنے پاؤں کے نیچے آنے والا کنکر اب میرے حلق میں اٹک جانے والا کانٹا بن گیا تھا۔ وعظ اور عبرت کی پوسٹیں لگانے والے کاتب کی زندگی بذاتِ خود خوفناک قسم کی پوسٹ بننے جا رہی تھی۔

میری آنکھوں کے سامنے میری گزری زندگی کے سارے مناظر فلم کی طرح چلتے تھے۔ جو بات رہ رہ کر یاد آتی تھی وہ یہ تھی کہ جب میں عام سی زندگی جیتا تھا تو کتنی بے بہا نعمتوں میں گھرا ہوتا تھا۔ رہ رہ کر خیال آتا کہ اُن نعمتوں کا ویسا شکر ادا کیوں نہ کرتا تھا جیسا اُن کے شکر کا حق بنتا تھا۔ ہسپتال میں میرے ساتھ والے کمرے میں داخل ایک بزرگ کے کمرے سے ابھی ابھی انسٹرومنٹ ہٹا کر لے جا رہے تھے۔ اس منظر سے مجھے اوروں کا نہیں اپنا خاتمہ نظر آنا شروع ہو گیا تھا۔

ہسپتال میں ہر ایک بیڈ ایک کہانی تھا اور ہر کہانی کے پیچھے سبق، خواب، کامیابیاں، ناکامیاں اور امیدوں کے بنتے بگڑتے قصے۔

ہسپتال میں انواع و اقسام کے لوگ، مریض یا ملازمین۔ اور مریضوں کی پھر آگے قسمیں۔ اپنی صحت اور زندگی سے مایوس، یا پھر بھرپور امید والے بے خوف لوگ، ورثاء سب ہی خوف اور امید میں لٹکے ہوئے۔

ملازمین کی بھی اقسام۔ ڈاکٹر اپنی ڈگری کی قیمت سے واقف وجاہت اور متانت کے عکاس۔ نرسیں لگ بھگ سب کام نمٹاتے ہوئے مگر قدر و قیمت نہ پانے کی شاکی۔ صفائی کرنے والے اپنی حالت اور دگرگوں مالی حالت کے ہاتھوں ناکام زندگی سے شاکی اور اُکھڑے اُکھڑے۔

ہسپتال میں ہر مریض کی ساری زندگی جیسے رُکی ہوئی، سب پریشانیوں پر بھاری بس ایک پریشانی کہ کسی طرح ہسپتال سے نکل کر گھر پہنچ جائے۔ ملازمین کے لیے مریضوں کے درد اور

بیماریاں بس ایک کام اور روٹین۔ادھر ڈیوٹی ختم اُدھر وہ گھر روانہ۔بھلے مریض کی جان ایسے نکلے یا ویسے۔

بہر حال میں نے جیسے تیسے رات ٹیکوں اور سرنجوں کے درد سہتے گزاری۔جنہیں روز کے ٹیکے لگتے ہیں ان کے بارے میں سوچ سوچ کر مجھے ان سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

میرے سینے کے ایکسریز(x-rays) لیے گئے اور اب دوسری صبح کا انتظار تا کہ ڈاکٹر نتیجہ بتائے۔دوسرے دن میری ساری زندگی ڈاکٹر کے دو کلموں پر اٹکی ہوئی تھی جس نے ایکسریز دیکھ کر رپورٹ دینا تھی۔ڈاکٹر ایکسرے اٹھائے وارڈ میں داخل ہوا اور میں نتیجہ جاننے کیلئے جاں بلب سولی پر لٹکا ہوا۔

الحمدللہ، ایکسرے بالکل کلیئر ہیں۔اور اس کے ساتھ ہی خوفناک اور ڈراؤنی فلم کا اختتام۔

اچھا، اصلی بات تو ابھی وہیں کی وہیں۔پاؤں ٹوٹا ہوا، پلستر لگانا ممنوع ٹھہرا۔اب پاؤں کے علاج کی جگہ وریدوں کا علاج فوقیت پا چکا۔مطلب صاف صاف یہی بنتا تھا کہ اب اپنے پیروں پر چلنے پھرنے کیلئے انتظار اور بھی لمبا ہوگا۔پلستر نہ ہونے کی وجہ سے پاؤں سوج کر کُپا بن گئے، ساتھ ساتھ ٹانگ بھی نیلی پڑ گئی تھی۔سارا زور ایک ٹانگ پر پڑنے کی وجہ سے، ٹھیک والی ٹانگ کے پاؤں اور گھٹنے میں شدید درد رہنے لگا۔پیروں کے بجائے ہاتھوں سے سہارا لینے کی وجہ سے ہاتھ دُکھنے لگے، حرکت کم ہوئی تو وزن تیزی سے بڑھنا شروع ہو گیا۔مہینہ بھر ٹوٹے پاؤں کو حرکت نہ دینے کی وجہ سے پیر کے مسلز تقریباً ایسے ہو گئے جیسے مر ہی چکے ہوں۔

انسان کی کمزوری اور ضعیفی پر پڑھا تو بہت تھا مگر ایسی کمزوری اور ضعف سے اب واسطہ پڑا تھا۔اور یہ سلسلہ شیطان کی آنت کی طرح لمبے سے لمبا ہوتا جا رہا تھا۔

''کب میں عام بندے کی طرح چل سکوں گا'' کے بارے میں سوچنا خواب سا لگتا تھا۔ مجھے رہ رہ کر یاد آتا تھا کہ جب کوئی مجھ سے حال احوال پوچھتا تھا تو میں اکثر یکسانیت سے اکتایا ہوا مختصراً کہہ ڈالتا تھا کہ بس ٹھیک ہوں۔اور یہ بس ٹھیک ہوں کتنی عظیم نعمت ہوتی ہے مجھے اب پتہ

چل رہا تھا۔کسی نعمت کو بس کہہ دینا انسان کو اس نعمت کی قدر ہی بُھلا دیتا ہے۔خبر دار، کہیں ایسا نہ ہو کہ نعمت کی قدر کا احساس اُس نعمت کے چھن جانے کے بعد ہو۔کسی نعمت کو کبھی بھی اتنا ہلکا نہ لیا جائے کہ اس نعمت کو نعمت سمجھنے کا شعور ہی جا تا رہے۔

مجھے بیماری اور جیل کی قید نے اس آیت کا ٹھیک طریقے سے مطلب سمجھایا ہے کہ ''اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے بے شک آدمی بڑا ظالم ناشکرا ہے۔''

میرے فیس بک کی ڈی پی پر میری چلتے ہوئے کی فوٹو لگی ہوئی ہے۔میں جب بھی فیس بک کھولتا ہوں اور اپنی فوٹو پر نظر پڑتی ہے تو مجھے اپنے بس ٹھیک ہوں کے الفاظ عظیم القدر نعمت لگتے ہیں۔

ایک اور بات بتاؤں؟ آج پینتیسواں دن ہے اور ابھی تک میرا ماتھا سجدے کے لیے زمین پر نہیں پڑ سکا۔چارپائی پر بیٹھے بیٹھے وضو اور لیٹے لیٹے نماز ہو رہی ہے کیونکہ اب میرا بیٹھنا بھی منع ہو چکا ہے۔نماز کا شوق مجھے پاگل کیے جا رہا ہے۔

مصیبتوں کے بھی کیا رنگ نکلتے ہیں: مصیبت تا کہ صبر کرنا آجائے، مصیبت جو شکر کرنا سکھا دے، مصیبت جو اجر و ثواب کا باعث بن جائے، مصیبت جو سرزنش بن جائے، مصیبت جو گزرے اوقات کی جانچ پڑتال کرنا بتا دے اور مصیبت جو ثابت قدمی سکھا دے۔

آخر میں، میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لیے اپنی امی سے معافی مانگتا ہوں، کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ پڑھ کر بہت روئے گی۔ میں آج تک اپنی بیماریوں اور پریشانیوں کے سارے راز اُس سے اس لیے چھپاتا آیا ہوں کہ وہ میری وجہ سے کبھی بھی کبیدہ خاطر نہ ہونے پائے۔

اے اللہ اپنے ہر مریض بندے کو ایسی شفا دے جس کے بعد کوئی دوسری بیماری نہ ہو۔ آمین یارب۔

[ترجمہ: محمد سلیم]

شفقت علی

شکایت کا سبب

جوناتھن سوِفٹ(1667-1745)انگریزی ادب کا بہت مشہور مصنف گزرا ہے۔اس کی وجہ شہرت اس کی نثری ہجو(Satire) ہے جس کی وجہ سے اسے ہجو کا شہزادہ بھی کہا جاتا ہے۔ ویسے تو اس کی تمام تصنیفات ہجو پر مبنی ہیں مگر اس کی شہرہ آفاق گلیورز ٹریولز (Gulliver's Travels) ہجوگوئی کی دنیا میں سرفہرست ہے۔ یہ کتاب چار فرضی سفرناموں پر مشتمل ہے۔ آخری سفرنامہ میں مصنف کی ہجوگوئی انسانوں سے نفرت میں ڈھل جاتی ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ وہ کون سی وجوہات تھیں جنہوں نے سوِفٹ کو اس قدر بے حس بنا دیا کہ اسے انسانوں سے نفرت تک ہوگئی۔سوِفٹ کی ذاتی زندگی پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کچھ خاص عوامل تھے جنہوں نے اسے ہجوگوئی پر مجبور کیا۔مثلاً: تین معاشقوں کے باوجود شادی نہ ہونا، میرٹ کے باوجود اسے مَن پسند عہدہ نہ ملنا، سیاسی تنازعات، مذہبی اختلافات وغیرہ۔ان سب نے سوِفٹ کے مزاج میں ایسی تندی اور ترشی بھر دی کہ پھر اس کے ہجو سے نہ چَرچ بچا نہ فلسفی، نہ سائنسدان بچے نہ سیاستدان۔ جو راستہ میں آیا اس کی ہجو کی بھینٹ چڑھ گیا۔

مزاج میں ایسی تندی و ترشی آجانا اور تنقید و تعریض کرنا اکیلے سوِفٹ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اکثر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اصل میں ہم انسان پیدائشی طور پر مثالیت اور کاملیت پسند(Idealist & Perfectionist) ہیں جبکہ یہ دنیا اور اس کے حالات غیر مثالی و نامکمل۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دنیا اور دنیا والے اکثر ہمارے معیارات اور توقعات پر پورا نہیں اتر پاتے۔ بالآخر اختلافات بڑھتے ہیں اور ہم شکوہ و شکایت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شکوہ و شکایت کا یہ رویہ سراسر منفی ہے۔اسی کی وجہ سے بعض اوقات انسان خدا کی طرف سے آنے والی آزمائش کو بھی انسانوں کی سازشوں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے اور بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے۔اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی فکری اور روحانی ترقی رک جاتی ہے اور شخصیت تخریب کا شکار ہو جاتی ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنی شخصیت کی مثبت تعمیر کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ حقیقت پسند بنے اور ایسی کسی منفی سوچ میں مبتلا مت ہو۔

ریاض علی خٹک

اجتماعی کامیابی کا راز

آج جاپان ایک انتہائی ترقی یافتہ جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ ملک ہے۔ جاپانی ترقی سوچ کا وہ سفر ہے جو ہینسی کائے Hansei kai سے شروع ہوتا ہے اور نومی کائے Nomi kai پر پہنچ کر اسے پرفیکشن کے قریب کر دیتا ہے۔

جاپان کے ہر سکول میں بچے اپنی کلاس کی صفائی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہ صفائی عام صفائی نہیں ہوتی۔ اس صفائی کو مکمل بے داغ اور کلاس کو مکمل ترتیب سے رکھنا ہوتا ہے۔ روزانہ صفائی کے بعد بچوں کی میٹنگ ہوتی ہے۔ اسے hansei kai کہا جاتا ہے۔ جس میں کمی کوتاہیاں ڈھونڈی جاتی ہیں۔ اگر کوئی کمی نہ ملے تب بھی بچہ کل اسے مزید سے مزید بہتر کرنے کا عزم کرتا ہے۔ یہ سکول میں دوسری کلاسوں کے مقابل عزت و ذمہ داری کا امتحان ہوتا ہے۔ بچہ جب سکول سے فارغ ہوتا ہے تو وہ صرف تعلیم یافتہ ہی نہیں ہینسی کائے یعنی اپنی غلطیوں کو ڈھونڈنے درست کرنے کی بھٹی میں کندن بھی ہو چکا ہوتا ہے۔

یہی بچہ کسی ادارے میں لگتا ہے۔ ملازمت شروع کرتا ہے۔ اب اسے کوئی hansei kai کی تلقین نہیں کرتا۔ یہ اپنا کام روز پہلے سے زیادہ بے عیب کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے۔ اب اس ادارے کا فوکس Nomi kai ہوتا ہے۔ نومی کائے کسی کام پراجیکٹ کی تکمیل کی وہ پارٹی ہوتی ہے جس میں ادارے کے ملازمین اور مالکان سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں۔ یہ سوچتے ہیں اسے مستقبل میں کیسے مزید سے مزید بہتر کیا جا سکتا ہے۔

یہ ہینسی کائے سے نومی کائے کا سفر ہی ہے جس نے جاپان کو دُنیا کے مشہور ترین برانڈز کی سرزمین بنا دیا۔ ساری دنیا ان کے معیار کو تسلیم کرتی ہے۔

محمد بلال غوری

کامیاب افراد کی 11 مشترکہ عادتیں

سچ بہت کڑوا ہوتا ہے اور ہضم نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ معاشرے کے دانشوروں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ شدھ حقائق بیان کرنے سے گریز کریں یا پھر سچ کی اتنی ہی خوراک دیں جو قے کا سبب نہ بنے۔اسی سوچ کے پیش نظر ایک تلخ حقیقت بیان کرنے سے کتراتا رہا مگر چند روز قبل قبلہ حسن نثار صاحب نے اپنے کالم میں اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیا تو مجھے بھی حوصلہ ملا اور سوچا کیوں نہ اس حوالے سے اپنی معروضات پیش کروں۔ ہمارے معاشرے میں بالعموم غربت کو تقدیر کا لکھا سمجھا جاتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ غربت ازخود انتخاب سے عبارت ہے۔

فرانسیسی شاعر اور ناول نگار وکٹر ہیوگو کا خیال ہے کہ سب اپنے اعمال کی پیداوار ہیں، یہی اعمال بناتے بھی ہیں اور بگاڑتے بھی ہیں۔اس قول کی تشریح کی جائے تو کامیاب زندگی کا آغاز دراصل مثبت سوچ سے ہوتا ہے۔آپ کی سوچ اظہار کا روپ دھارتی ہے۔اظہار کے لئے چنے گئے الفاظ اعمال کی صورت گری کرتے ہیں۔اعمال بتدریج عادات واطوار کے قالب میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ عادات واطوار سے کردار متشکل ہوتا ہے اور شخصیت کا سانچہ ترتیب پاتا ہے۔ اب اگر یہ شخصیت کامیاب افراد کے مثل ہوگی تو آپ ترقی وخوشحالی اور کامیابی وکامرانی کے زینے طے کرتے چلے جائیں گے اور اس کے برعکس اگر آپ کی شخصیت قنوطیت پسند اور ناکام افراد کے جیسی ہوگی تو پے درپے ناکامیاں آپ کا مقدر ہو جائیں گی۔تلخ حقیقت یہی ہے کہ آپ کو اپنے اردگرد جتنے غریب، بے روزگار اور ناکام افراد دکھائی دیتے ہیں وہ قسمت کے مارے نہیں ہوتے بلکہ اپنی سوچ، عادات واطوار اور مزاج کے سہارے اس جگہ پہنچتے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں امریکی صحافی نپولین ہل نے تھنک اینڈ گرورِچ کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو اس دور میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب قرار پائی۔اس کتاب کے لئے نپولین ہل نے 500 ایسے سیلف میڈ افراد کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جو غربت زدہ معاشرے سے اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے امیر ترین افراد کی فہرست میں شامل ہو گئے۔اس نے اپنی کتاب میں سیلف میڈ افراد کی خصوصیات جمع کیں تو معلوم ہوا کہ ان سب میں مثبت سوچ قدر مشترک ہے۔

چند برس قبل ایک اور محقق تھامس سی کورلے نے غریب سے امیر ہونے والے 177 کامیاب افراد کی کتابِ زیست کا مطالعہ کیا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ آخر انہیں کون سے ایسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ وہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ کئی برس کی عرق ریزی کے بعد تھامس سی کورلے نے اپنی تحقیق کا نچوڑ یہ نکالا کہ کامیابی اور ناکامی کے درمیان 11 عادات کا سنگ گراں حائل ہے۔

سب سے پہلی عادت کا تعلق جلدی اٹھنے سے ہے۔ جلدی اٹھنے سے مُراد سحر خیزی نہیں بلکہ آپ کو کہیں کسی کام پر جانا ہو تو مطلوبہ وقت سے تین گھنٹے پہلے بیدار ہوں تاکہ متوقع رکاوٹیں حائل نہ ہوسکیں۔ عین ممکن ہے آپ نہانے کے لئے واش روم جائیں تو پانی نہ ہو، کپڑے استری کرنا ہوں اور بجلی نہ ہو، راستے میں کسی وجہ سے ٹریفک جام ہو یا پھر گاڑی خراب ہو جائے، ان تمام الجھنوں سے نمٹنے کے لئے تین گھنٹے پہلے اٹھیں تاکہ کام پر بروقت پہنچ سکیں۔ دوسری عادت کا تعلق صحت سے ہے۔ کورلے کے مطابق تحقیق کے دوران اسے معلوم ہوا کہ 76 فیصد کامیاب افراد ورزش ضرور کرتے ہیں۔ کامیاب افراد کی شخصیت میں تیسری اہم ترین عادت مطالعہ کی ہے۔ ہمارے ہاں تو بھلے چنگے پڑھے لکھے افراد مطالعہ سے جان چھڑاتے ہیں اور نوجوان نسل تو بالکل بیزار دکھائی دیتی ہے مگر تھامس سی کورلے کے مطابق کامیابی کے حصول کے لئے مطالعہ کو حرزِ جاں بنانا از حد ضروری ہے۔ اس نے جتنے بھی کامیاب افراد کے معمولاتِ زندگی ملاحظہ کئے ان میں تفریحی ناول، رومانوی کہانیوں، شاعری یا فکشن کے بجائے ایسی کتابوں کی ورق گردانی کو جزو لازم کی حیثیت حاصل تھی جن سے کچھ سیکھنے کو ملے۔

کامیاب افراد کی چوتھی خصوصیت ہے مثبت سوچ۔ جو لوگ دوسروں کی کامیابی پر جلتے کڑھتے رہتے ہیں، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس کامیابی ان کے قدم چومتی ہے جو مثبت اور تعمیری سوچ کے حامل ہوتے ہیں۔ پانچویں عادت ہے بھیڑ چال سے گریز۔ بالعموم لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ آج کل کس چیز کا رجحان ہے، لوگ کس طرف جا رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں اور پھر بغیر سوچے سمجھے اس طرف دوڑ لگا دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے ہاں ایک مرتبہ کمپیوٹر کی تعلیم شروع ہوئی تو دھڑا دھڑ کمپیوٹر ایجوکیشن کے مراکز کھلنے لگے اور داخلہ لینے والوں کی لمبی قطاریں لگ گئیں۔ لیکن کامیاب افراد اس بھیڑ چال سے متاثر نہیں ہوتے، وہ اپنی سمت

خود متعین کرتے ہیں، وہ وقت کے سانچوں میں ڈھل نہیں جاتے بلکہ وقت کے سانچے بدل جاتے ہیں۔ چھٹی خوبی ہے اپنے مقاصد کا تعاقب۔ کامیاب افراد اپنا ہدف طے کرتے ہیں اور پھر پوری تندہی کے ساتھ اس کے حصول میں لگ جاتے ہیں۔ مشکلات سے گھبرا کر ہمت نہیں ہارتے بلکہ ثابت قدمی سے ڈٹے رہتے ہیں۔ ساتویں عادت، جو تمام کامیاب افراد میں پائی جاتی ہے، آمدنی کے ایک سے زائد ذرائع رکھنا ہے۔ کامیاب افراد کبھی اپنے تمام انڈے ایک ٹوکری میں نہیں رکھتے یعنی وہ محض ایک ہی آپشن پر نہیں سوچتے، صرف ایک ہی ذریعہ آمدنی پر انحصار نہیں کرتے بلکہ ان کے پاس ایک سے زائد آپشنز ہوتے ہیں۔ آٹھویں بات، جو کامیاب افراد کو ممتاز و منفرد کرتی ہے، لوگوں سے رائے لینا اور مشورہ کرنا ہے۔ بیشتر ناکام افراد خود کو عقل کل سمجھتے ہیں اور کسی سے مشاورت کی زحمت گوارہ نہیں کرتے۔ اگر مشورہ کر بھی لیں تو اسے خاطر میں نہیں لاتے۔ اس کے برعکس کامیاب افراد ادنیٰ اور حقیر سمجھے جانے والے افراد سے صلاح لینے میں بھی تامل نہیں کرتے۔ کامیاب افراد کی نویں مشترکہ عادت ہے اچھے آداب۔ آپ نے یہ جملہ ضرور پڑھا یا سنا ہوگا باادب بانصیب، بےادب بدنصیب اس سادہ سے جملے میں کامیاب زندگی کا فلسفہ موجود ہے۔ کامیاب افراد کی 10 ویں خاصیت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لئے ممدو معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں آگے بڑھنے والے افراد کی ٹانگیں کھینچنا معمول کی بات ہے لیکن دوسروں کی ٹانگیں کھینچنے والے اس تگ و دو میں خود بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کسی کو آگے کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی جائے تو انسان خود بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتا ہے۔ کامیاب افراد کی 11 ویں عادت ہے اچھے لوگوں کی صحبت۔ کچھ لوگ مِثل غذا ہوتے ہیں، جن کی آشنائی لازم ہے بعض افراد مِثل دوا ہوتے ہیں جو تریاق کا کام کرتے ہیں اور ان کی حاجت رہتی ہے مگر چند دوست مثلِ وبا ہوتے ہیں، جن سے بچنا لازم ہے۔ آپ نے ہمہ یاراں دوزخ اور ہمہ یاراں جنت والا محاورہ تو سنا ہوگا۔ اگر آپ شکست خوردہ، ہارے ہوئے، مایوس، ناامید اور منفی سوچ کے حامل لوگوں میں بیٹھتے ہیں تو انہی کی طرح ناکام ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس آپ کا اٹھنا بیٹھنا مثبت اور تعمیری سوچ کے حامل، مہم جو، پُرعزم افراد میں ہے تو بہت جلد آپ بھی ان کی صف میں شمار ہونے لگیں گے۔

ڈاکٹر محمد عقیل

کیا آپ ذہین ہیں؟

ابھی جو بات میں آپ سے کرنے والا ہوں اسے سننے کے لئے ذرا تیار ہو جائیں اور دل تھام لیجیے۔اس وقت آپ کا ایک چھوٹا سا ٹیسٹ ہونے والا ہے۔بے فکر رہیں یہ کوئی خطرناک ٹیسٹ نہیں کہ آپ کو لیبارٹری جانا پڑے۔بس یہ ایک معمولی سا ذہانت کا امتحان ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ صرف ایک سوال ہے جس کا جواب صرف چند لائنیں ہیں۔اگر جواب درست تو آپ ذہین اور عقلمند کہلائیں گے وگرنہ نہیں۔

سوال غور سے پڑھیے۔نیچے ایک شعر درج ہے، یہ بتایئے کہ کیا یہ شعر درست ہے؟ اگر نہیں تو اس میں کیا خرابی ہے؟

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

جواب کے لیے آپ کے پاس پانچ سو سیکنڈ ہیں۔ایک دو تین چار............اووووووور یہ پانچ سو۔

جی جناب ، کیا جواب ہے آپ کا ؟ چلیں اپنا رپلائی نیچے دیے گئے جواب سے چیک کر لیں۔

اصل میں یہ شعر غلط ہے کیونکہ اس میں پہلا مصرعہ کسی اور شعر کا اور دوسرا مصرعہ کسی دوسرے شعر کا ہے۔پہلے مصرعے کا شعر یہ ہے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

دوسرے مصرعہ کا شعر یوں ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

ویسے آج کل یہ شعر یوں پڑھا جاتا ہے

ایک صف میں کھڑے ہوگئے محمود ایاز
دوسری صف میں کھڑا ہو گیا خود کش بمبار
پھر...... نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

تو جناب آپ نے اپنا جواب چیک کرلیا ہوگا اور یہ جان گئے ہوں گے کہ آپ ذہین ہیں یا نہیں۔ اصل میں اس سوال کا درست جواب دینے کے تین طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دونوں شعر یاد ہوں تو غلطی پکڑی جاسکتی ہے۔ دوسرا یہ کہ دونوں مصرعوں کے وزن سے معلوم کر کے یہ جان لیا جائے کہ شعر غلط ہے۔

ان دونوں ٹیکنیکس کے لئے شاعری کا ذوق ہونا ضروری ہے۔لیکن ایک تیسرا طریقہ کامن سینس کا ہے۔ دونوں مصرعوں کے مضمون کو دیکھیں تو کوئی میل نہیں۔ چنانچہ اس بنیاد پر ایک شخص آسانی سے معلوم کرسکتا ہے کہ یہ شعر غلط ہے۔

اس پر کچھ لوگ اعتراض کریں گے کہ ہمیں تو شاعری سے دلچسپی نہیں اور نہ ہمیں شعر یاد ہوتے ہیں تو یہ کیسا ذہانت کا ٹیسٹ ہوا؟ یہ ٹیسٹ غلط ہے اور اس طرح ذہانت نہیں معلوم کی جاسکتی۔ یہ اعتراضات معقول ہیں اور معترض کی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا نامعقول ٹیسٹ بنانے والے کے پاس اپنا سا منہ لے کر رہ جانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اب ذرا اس بات کو ایک اور پہلو سے دیکھیں۔ہم سب ایک اور امتحان میں مبتلا ہیں جو کم و بیش ہر وقت جاری ہے۔ یہ خالق کائنات کا بنایا ہوا ٹیسٹ ہے۔امتحان یہ ہے کہ ہم ثابت کریں کون اچھا ہے کون برا، کون غلام ہے اور کون باغی، کون پرہیزگار ہے اور کون فاسق؟

اس ٹیسٹ کو ایک بے انتہا علیم، خبیر، ذہین اور عقلمند ہستی نے بنایا ہے۔ کل ہم جب اپنے نتائج کے ساتھ اس کے سامنے پیش ہوں گے تو کیا ممکن ہے کہ اس کے بنائے ہوئے نظام امتحان کو چیلنج کر سکیں؟ کیا اس بات کا امکان ہے کہ ہم اس کے رولز پر اعتراض کر سکیں، اس کی بات ماننے سے انکار کر دیں، اس کے چیک کرنے کے نظام کو باطل قرار دے دیں، اس کی ریکارڈ کیپنگ کو جھوٹ کا پلندہ گردانیں؟

یہ ممکن نہیں کیونکہ اول تو اس کے ہاں بولنے کا کسی کو یارا نہیں۔ اور اگر کوئی پاگل یہ کرتا بھی ہے تو اس کے اعضاء اس کے خلاف گواہ بن کر اسے مجرم قرار دلوا دیں گے۔

لیکن کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ ہم آج اس دنیا کے ان تمام امتحانات کو دے رہے، انہیں سنجیدہ لے رہے اور اس کے نتائج کو دل و جان سے تسلیم کر رہے ہیں حالانکہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ امتحان غلط ڈیزائن کیا گیا ہو، اس میں زبان و بیان کی کئی غلطیاں ہو، اس میں سوال ہی بے تکا پوچھا گیا ہو، اس کا چیک کرنے کا نظام ہی فرسودہ ہو، اس کے ممتحن رشوت خور ہوں۔

دوسری جانب وہ امتحان جو خالق کائنات کا بنایا ہوا ہے، جسے خدا کی حکمت نے جنم دیا ہے، جسے خدا کی قدرت نے ڈیزائن کیا ہے، جسے خدا کے عدل نے چیک کیا ہے اس پرفیکٹ نظام امتحان کو ماننے سے گریزاں ہیں، اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیے ہوئے ہیں، اس میں سے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اپنی خواہشات کو پورا کرنا درست سمجھتے ہیں۔

کتنے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو دنیا کے عارضی اور ناقص امتحانوں کو سنجیدہ لیتے رہے اور جو امتحان کامل اور ابدی نتائج کا حامل تھا اس کے سوالات تک نہ پڑھ پائے۔

ابویحییٰ

مضامین قرآن (61)

اخلاقی مطالبات: حقوق العباد

قرآن مجید اپنی دعوت کو قبول کرنے والوں کے سامنے جو مطالبات رکھتا ہے ان کا مرکزی نقطہ تزکیہ نفس ہے۔ اس تزکیہ نفس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو شریعت عطا فرمائی ہے جو زندگی کے ان میدانوں میں انسانوں کی رہنمائی کرتی ہے جہاں وہ اپنی عقل اور فطرت کی بنیاد پر کوئی حتمی بات کہہ سکتے ہیں اور نہ عملی طور پر کوئی حد بندی کر سکتے ہیں۔ تاہم اس قانون شریعت سے قبل خود انسانی فطرت میں ایک ایسا احساس رکھ دیا گیا ہے جو انسانوں کی رہنمائی اس راستے کی طرف کرتا ہے جو ان کے نفوس میں پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ یہ خیر و شر کا وہ شعور ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسانوں کو اس راستے کی طرف بلاتا ہے جس میں انسانوں کے لیے خوبی اور پاکیزگی ہوتی ہے۔ اسی شعور کی بنیاد پر قرآن مجید انسانوں کے سامنے شریعت کے علاوہ وہ مطالبات بھی رکھتا ہے جنھیں ہم اخلاقی مطالبات کا نام دیتے ہیں۔

ان مطالبات کی پہلی قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ مضامین قرآن کے اس سلسلے میں ہم نے ابھی تک اللہ تعالیٰ کے حوالے سے عائد ہونے والے مطالبات کی تفصیل کی ہے۔ آج سے ہم اخلاقی مطالبات کی دوسری قسم یعنی سماج کے مختلف طبقات کے حوالے سے عائد ہونے والے مطالبات جنھیں عرف عام میں حقوق العباد کہا جاتا ہے، ان کی تفصیل کریں گے۔

حقوق العباد کے معاملے میں قرآن مجید کی رہنمائی کا طریقہ

حقوق العباد کے معاملے میں قرآن مجید نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے ایک بڑا ہی فطری طریقہ اختیار کیا ہے جس کی دو بنیادی اساسات ہیں۔ پہلی اساس یہ ہے کہ قرآن مجید سماج کے ان طبقات کو لیتا ہے جن کے حقوق کی ادائیگی میں عام طور پر انسان محتاط نہیں ہوتے یا انسانی طبائع ان کی ادائیگی کی طرف مائل نہیں ہوتیں یا ان کے معاملے میں کوئی بڑا انحراف رونما ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید والدین کے ساتھ حسن سلوک پر تو بہت زور دیتا ہے، مگر اولاد سے حسن سلوک پر کلام نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد کے معاملے میں انسانوں کی غالب ترین اکثریت اپنی جبلی اور طبعی تقاضوں کی بنا پر پہلے ہی بہت حساس ہوتی ہے۔ لوگ اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں۔ ان کو مستقبل کا سرمایہ سمجھ کر ان پر ہر پہلو سے سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات کہنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں کہ اولاد کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ لیکن والدین کے معاملے میں بیشتر لوگوں کا رویہ مختلف ہوتا ہے۔

بوڑھے والدین اولاد پر ایک بوجھ ہوتے ہیں۔ اولاد میں سے ہر بچے کی یہ شعوری یا غیر شعوری کوشش ہوتی ہے کہ یہ بوجھ اس کے بجائے کسی دوسرے بھائی بہن کو منتقل ہو جائے۔ والدین ان کے ہاں مقیم بھی ہوں تو بیشتر لوگ انھیں توجہ، وقت اور پیسہ دینے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ ان کی بیشتر توجہ کا مرکز اپنی بیوی بچے ہی رہتے ہیں۔ کسی کا رویہ اس کے برعکس ہو تب بھی بوڑھے والدین کا بوجھ اٹھانا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ ان کی خدمت، ان پر انفاق، ان کی بری بھلی باتیں سننا، ان کے بڑھاپے کی جھنجھلاہٹ کو برداشت کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں اللہ تعالیٰ اولاد سے حسن سلوک پر زور دینے کے بجائے والدین کے حسن سلوک پر بار بار توجہ دلاتے ہیں۔ تاہم اگر کہیں کسی قسم کا انحراف پایا جائے جیسے عرب میں سے بعض لوگ اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل کر دیتے تھے، تو قرآن نے اس پر بھی بھرپور توجہ

دلائی ہے اور اسے کئی جگہ موضوع سخن بنایا ہے۔

چنانچہ سماج کے کمزور طبقات کے حقوق پر توجہ دلانا اور کسی فرد یا طبقہ کے حوالے سے کوئی انحراف یا افراط وتفریط پایا جائے تو اس پر متوجہ کرنا حقوق العباد کے ضمن میں انسانوں کی رہنمائی کا وہ پہلا طریقہ ہے جسے قرآن مجید نے اختیار کیا ہے۔ انسانوں کی رہنمائی کا دوسرا طریقہ یا دوسری اساس جو قرآن مجید نے اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ فرد کو ان اچھی اور بری خصوصیات کی طرف متوجہ کیا ہے جن کو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے لوگ ملحوظ نہیں رکھتے یا جن کا لحاظ نہ رکھنے کی صورت میں دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے یا دوسروں کی جان، مال اور آبرو کو نقصان پہنچتا ہے۔ مثلاً قرآن نے جگہ جگہ عدل کا حکم دیا ہے اور ظلم سے روکا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے عہد و امانت کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ لوگ جب ان صفات کو اختیار کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں دوسروں کے ساتھ ان کا معاملہ مجموعی طور پر بہتر ہوتا چلا جاتا ہے اور دوسروں کی حق تلفی اور ان پر ظلم وزیادتی کی نوبت نہیں آتی۔

اس معاملے میں قرآن مجید نے مزید اہتمام یہ کیا ہے کہ کہیں تو ایک جامع اصطلاح استعمال کر کے ایک مجموعی مطلوب رویے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کر دی ہے اور کبھی متعین طور پر ایک حکم دے کر ایک خاص رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً کہیں صرف عدل کا حکم دیا ہے جیسے النحل (90:16) میں۔ عدل ایک مجموعی رویہ ہے کہ جو زندگی کے ہر گوشے کا احاطہ کرتا ہے۔ مگر قرآن نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ جب تم بولو تو عدل کی بات کرو (الانعام 152:6)۔ بولتے وقت عدل کے اس متعین حکم کی وجہ یہ ہے کہ لوگ بولتے وقت ہی دوسروں کے متعلق سب سے بڑھ کے عدل سے ہٹتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اجمال و تفصیل ہر دو طریقوں سے لوگوں کو اچھی اور بری اخلاقی صفات اور رویوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

قرآن حقوق العباد کو جس طرح بیان کرتا ہے اور اس کی تعلیمات کے نتیجے میں معاشرے میں کیسے خیر و فلاح عام ہوتی ہے، اس کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی رہنمائی کا یہ طریقہ اگر واضح رہے تو ان بہت سے سوالات کا جواب مل جاتا ہے جو ذہنوں میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ نیز وہ عدم توازن بھی دور ہو جاتا ہے جو بعض نادان لوگوں کے قرآنی رہنمائی کو نا سمجھنے کی بنا پر پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ قرآن اور احادیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کے احکام کو دیکھ کر والدین کی فرمانبرداری میں بیویوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ بیویوں کے معاملے میں عام طور پر لوگ پہلے ہی حساس ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کے مفادات اور خواہشات ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس بنا پر وہ ویسے ہی ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں اور کبھی نہ رکھیں تو ان کی ضرورت، مفاد اور خواہش انھیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو بااہتمام یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ مگر اس خاموشی کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں حسن سلوک نہ کیا جائے یا ظلم و زیادتی کا معاملہ کیا جائے۔ قرآن مجید نے میاں بیوی کے اس رشتے کے حوالے سے اسی وقت کلام کیا ہے جب کسی تنازع کا اندیشہ تھا اور اسے ختم کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ اس پس منظر میں بیویوں کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا گیا ہے (النساء 19:4)، مگر یہ قرآنی تعلیمات کا کوئی مستقل موضوع نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان اس رشتے سے وابستہ مفادات کی بنا پر حسن سلوک سے ویسے ہی کام لیتے ہیں اور نہیں حسن سلوک نہیں کریں گے تو بیوی کے پاس علیحدگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس بات کو سمجھنا اس باب میں قرآنی ہدایات کے فہم میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (65)

ترک مصنفہ، محترمہ خالدہ ادیب خانم لکھتی ہیں:

سلیمان نے اپنی بیوی کے اثر سے صرف اتنا ہی نہ کیا کہ اپنا جانشین ایک نہایت ہی نا اہل اور نالائق شہزادہ کو بنایا۔ اگر معاملہ یہیں تک محدود رہتا تو سلیم کے سلطان بننے کے اتنے برے نتائج نہ نکلتے کیونکہ اگر کسی سلطنت کا نظام مستحکم ہوتا ہے تو بادشاہ کی نالائقی کا تدارک اچھے کارکنوں کے حسن انتظام سے ہو جاتا ہے۔ مگر بادشاہ کی بیوی نے سلیمان کو اس پر بھی آمادہ کر لیا کہ وہ شہزادوں کو محل میں ہی بند رکھ کر تعلیم و تربیت دلانے کا رواج شروع کر دے۔ شہزادوں کے نصاب تعلیم سے جسمانی تربیت اور عملی تجربے خارج کر دیے گئے۔۔۔۔ اس نئے رواج کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ایسے لوگ بادشاہ ہونے لگے جو بند محل میں تعلیم پاتے تھے۔ عیش و عشرت اور تن آسانی کے عادی تھے اور جنہیں کاروبار سلطنت سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔

سترہویں صدی میں اول سے آخر تک نا اہل سلاطین کا ایک سلسلہ بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ ان میں جو عیش پرست نہیں تھے، وہ پرلے درجہ کے ظالم و جابر تھے اور جو حرم کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، وہ انتہا سے زیادہ بداطوار تھے۔ ان کی منظور نظر بیگمات سلطنت کے بڑے بڑے عہدے فروخت کرنے لگیں۔ ہم کہتے ہیں، "مچھلی اپنے سر سے گلنا شروع ہوتی ہے۔" عثمانیوں کی سول سروس اسی رنگ میں رنگی جانے لگی اور رشوت لے کر عہدے فروخت کیے جانے لگے۔ میرٹ، جو کہ پہلے ترقی پانے کا معیار تھا، اب بے حیثیت ہو کے رہ گیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عثمانی سلاطین جو کہ شروع کے رومی بادشاہوں کی طرح شجاعت و بہادری میں اپنی مثال آپ تھے، اب بازنطینی حکمرانوں کی طرح آرام پسند ہو گئے۔ اس دور کے بہت کم

سلطان ایسے ہوں گے جو طبعی موت مرے ہوں گے۔اس صدی میں فوجوں کی بغاوت اور فرماں رواؤں کی معزولی کا بازار گرم تھا،اس وجہ سے ان میں اکثر قتل کر دیے جاتے تھے۔(Conflict of East & West in Turkey)

عثمانی بادشاہوں کے مرنے کے بعد ان کے شہزادوں میں مغلوں کی طرح اقتدار کے حصول کی جنگیں ہونے لگیں۔ان کے ہاں ایک عجیب قانون یہ طے پایا کہ ایک بادشاہ کے لئے اپنے بھائیوں کا قتل جائز قرار دے دیا گیا۔اس کے بعد ہر شہزادہ باپ کے مرنے کے بعد اپنے بھائیوں کے قتل کے درپے ہو جاتا اور فوج تقسیم ہو کر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو جاتی۔

سلطنت عثمانیہ کے زوال کا ایک بڑا سبب ان کا علمی جمود تھا۔عثمانیوں کا سرکاری نظام تعلیم ان علماء کے ہاتھ میں تھا جو یہ سمجھتے تھے کہ علم تیرہویں صدی عیسوی یا چھٹی صدی ہجری پر آ کر رک گیا ہے۔اس کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔سلطان سلیم ثالث کے دور میں جدید علوم وفنون کے مدارس قائم کرنے کی کوشش کی گئی جسے علماء نے ناکام بنا دیا۔اس میں انہیں فوج کی حمایت حاصل رہی تھی۔اس کے برعکس ترکی کی حریف اقوام رینی ساں اور ریفارمیشن کے ادوار میں علمی اعتبار سے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہی تھیں۔

ان کی یہ علمی ترقی جلد ہی اقتصادی اور عسکری ترقی میں بدل گئی اور مسلمان اس میدان میں بہت پیچھے رہ گئے۔ان کا علمی جمود، معاشی وعسکری جمود میں تبدیل ہو گیا۔یہ صورتحال اب تک برقرار ہے اور ہمارے علماء آج تک یہ سمجھتے ہیں کہ علمی ترقی بس وہی ہے جو ہمارے اسلاف کر گئے۔اب موجودہ دور میں جو کچھ بھی ہے، وہ سراسر انحراف ہی ہے۔

الوداغ پہاڑ

اگلی صبح اٹھ کر ہم نے وہی لکڑی والے بن اور شہد کا ناشتہ کیا اور باہر نکلے۔قریب ہی ایک دکان

تھی۔ کچھ ڈرنکس اور دوپہر کے لئے پھل وغیرہ لینے کے لئے ہم اندر گئے۔ برسا، ترکی میں پھلوں اور خاص طور پر ڈرائی فروٹ کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔ یہاں کی خاص چیز مونگ پھلی ہے۔ یہ ہمارے ہاں کی مونگ پھلی سے سائز میں دوگنا ہوتی ہے اور اس کے دانے بھی بہت موٹے موٹے ہوتے ہیں۔ ہم نے خاص طور پر یہ مونگ پھلی گھر کے لئے خریدی۔ میری شکل دیکھتے ہی دکاندار نے پوچھا، ''اسے سفر کے لئے پیک کر دوں؟'' میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر میں نے ایک منی ایکسچینج سے ترکی لیرا حاصل کیے۔ اب ہم ''الوداغ'' جانے کے لئے تیار تھے۔ ایک سگنل پر میں نے ساتھ والی کار میں موجود صاحب سے الوداغ کا راستہ پوچھا۔ ان صاحب کی شکل مشہور کرکٹر عمران خان سے ملتی جلتی تھی۔ کچھ دیر سوچتے رہے، پھر کہنے لگے، ''آپ میرے پیچھے آئیں۔ میں آپ کو اس کے راستے تک پہنچا دیتا ہوں۔'' انہوں نے ہماری خاطر اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ کچھ دیر ان کے پیچھے چلنے کے بعد ہم ایک چوراہے پر پہنچے۔ یہاں انہوں نے شیشے سے ہاتھ نکال کر ہمیں ایک سڑک دکھا دی اور خود واپس ہوئے۔ میں نے بھی ہاتھ ہلا کر ان کا بھرپور شکریہ ادا کیا۔

الوداغ ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ علاقہ سردیوں میں مکمل طور پر برف سے ڈھک جاتا ہے۔ اس وجہ سے یہاں اسکینگ اور سردیوں کے دیگر کھیلوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ یہ ترکی کا سب سے بڑا اسکینگ سنٹر ہے۔ ان دنوں اگست کے ابتدائی ایام تھے۔ اس وجہ سے برف کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا البتہ سبزہ اپنے پورے جوبن پر تھا۔ پہاڑی علاقوں کی طرح یہاں بھی تنگ سی سڑک بل کھاتی ہوئی اوپر کی طرف جا رہی تھی۔ سڑک کے دونوں جانب گھنے سبزے کے درمیان سرخ، سفید، پیلے اور کاسنی رنگ کے پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں ہم بلندی پر جا پہنچے۔ یہ پہاڑ بہت زیادہ بلند تو نہیں تھے مگر اپنے موسم کی وجہ سے ان کا ماحول وہی تھا جو ہمارے شمالی علاقہ جات کا ہے۔ علاقہ اچھا تھا مگر یوزن گول اور بولو کے

مقابلے میں زیادہ پسند نہ آیا۔ اوپر ایک پارک بنا ہوا تھا جس میں بچے جھولے جھول رہے تھے۔ یہاں کچھ اسکول کے بچے پکنک منانے آئے ہوئے تھے۔ ان کی باحجاب ٹیچرز ایک جانب بیٹھی گپیں ہانک رہی تھیں۔ مرد ٹیچر باقاعدہ ایپرن باندھے باربی کیو کر رہے تھے۔ بچے پستولوں میں پانی بھر کر ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے۔ کچھ بچے پتنگیں چڑھانے میں مصروف تھے۔ ماریہ نے بھی ان کے ساتھ جھولے لیے۔

آج دھوپ نکلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے موسم کچھ گرم تھا۔ ہم اب سفر کر کر کے تنگ آ چکے تھے، اس وجہ سے ارادہ کیا کہ اگلے ایک دو دن میں استنبول دیکھ کر واپسی کا کوچ کیا جائے۔ کچھ دیر یہاں گزار کر ہم نے الوداغ کو الوداع کہا اور واپسی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ برسا سے نکل کر ہم دوبارہ اسی سگنلز سے بھرپور سڑک پر سفر کرنے لگے۔

مرمرہ ریجن

یہ پورا علاقہ مرمرہ ریجن کہلاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے کے شمال اور مغرب دونوں جانب بحیرہ مرمرہ پھیلا ہوا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ علاقہ طویل عرصے تک یونان کے قبضے میں رہا ہے۔ اس وجہ سے یہاں مسلم تاریخ کے آثار کم اور یونانی تاریخ کے آثار زیادہ پائے جاتے ہیں۔ یونان کی دیومالا کے بہت سے کرداروں کا تعلق مرمرہ ریجن سے ہے۔

اہل مغرب چونکہ اپنی تاریخ کا آغاز یونان سے کرتے ہیں، اس وجہ سے ان کے لئے اس علاقے میں بہت کشش ہے۔ ہم لوگوں کے لئے اس ریجن میں کچھ خاص کشش نہ تھی اور ہم طویل سفر سے بھی تنگ آ چکے تھے، اس وجہ سے ہم نے یہاں زیادہ وقت گزارنے کے بجائے واپسی ہی میں عافیت محسوس کی۔ مگر بہتر ہو گا کہ قارئین کی دلچسپی کے لئے اس علاقے کے خاص خاص مقامات کا ذکر کر دیا جائے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

ہر ایک غم کا مداوا کلامِ پاک میں ہے
مگر کتاب کو رکھا ہوا غلاف میں ہے

نہیں فراغ مصلّے پہ اِک جگہ بیٹھوں
یہ میرا جسم نہیں روح اعتکاف میں ہے

ہزاروں میل کی دوری کو طے کیا میں نے
جب آنکھ بند ہوئی دِل میرا طواف میں ہے

جہاں جہاں سے گزر کے حرم کو جاتی تھی
نبی کے شہر کا منظر مرے طراف میں ہے

شریکِ جرم تھا جو ہاتھ میرا دنیا میں
گواہ ہے حشر میں اور وعدۂ معاف میں ہے

کہ دل پہ تھوڑا سا پتھر تو رکھنا پڑتا ہے
علاجِ زخم ہے ممکن مگر شگاف میں ہے

بچا کے کانٹوں سے دامن کو چلنا پڑتا ہے
نجات کی یہی صورت تو انحراف میں ہے

کہ اس کا ملنا بھی اک معجزے سے کم تو نہیں
اگر پری ہے تو شاید، وہ کوہِ قاف میں ہے

زمین سے تا بہ فلک، بے شمار منظر ہیں
میری غزل تیری عظمت کے اعتراف میں ہے

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

کراچی کے لیے 500، بیرون کراچی کے لیے 400 روپے کا منی آرڈر ہمارے پتے پر ارسال کیجیے......یا
ایک پے آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام ''ماہنامہ انذار'' بینک الفلاح المحدود (صدر برانچ)
اکاؤنٹ نمبر 0171-1003-729378 کے نام بھجوایئے
رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں،اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

ایجنسی لینے کا طریقہ کار:

ایجنسی کے لیے ہر ماہ کم از کم پانچ رسالے لینا ضروری ہے
ایجنسی کا ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے
ایجنسی لینے کے لیے اوپر دیئے گئے پتے پر رابطہ کیا جاسکتا ہے

Monthly
INZAAR

JUN 2019
Vol. 07, No. 06
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi

ابو یحییٰ کی دیگر کتابیں

”ملاقات“

اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

”جب زندگی شروع ہوگی“

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

”قسم اُس وقت کی“

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کا دوسرا حصہ

“When Life Begins”

English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee

”کھول آنکھ زمیں دیکھ“

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

”بس یہی دل“

دل کو چھو لینے والے مضامین ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

”تیسری روشنی“

نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

”حدیثِ دل“

موثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

”قرآن کا مطلوب انسان“

قرآن کے الفاظ اور احادیث کی روشنی میں جانیے اللہ ہم سے کیا چاہتے ہیں